اسرار

دربار حرام پور

(ہر دو حصہ)

ایک نیا اخلاقی ناول جو مشہور ناول "حسن کا ڈاکو" کے سلسلے میں تصنیف کیا گیا

مُصنّفہٗ

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی

سلطان حسین تاجر کتب، بمبئی

نے

اپنے مطبع سُلطانی واقع ابراہیم رحمت اللہ روڈ ۳۲ میں

چھاپ کر شائع کیا

(قیمت ہر دو حصہ: دو روپیہ آٹھ آنے)

پہلا حصّہ

پہلا باب

زبردست عامل کی ضرورت

حرام پور گویا بالکل بدل گیا ہے۔ لوگوں میں ہر جگہ سرگوشیاں ہو رہی ہیں اور ہر گھر میں ایک خوفناک خاموشی ہے۔ نواب صاحب رات دن اسی الجھن میں رہتے ہیں کہ یہ ماجرا کیا تھا؟ اور یہ جنوں کا دربار کیسا؟ میں آج تک قائل ہی نہ تھا کہ دنیا میں ان نظر آنے والے جانداروں کے سوا کوئی اور جاندار مخلوق بھی ہے۔ بھتنوں اور چڑیلوں کے واقعات کو کہانی اور پریوں اور جنوں کے خیال کو جنون تصور کرتا تھا۔ یہ یک بیک اتنا بڑا دربار کیسا قائم ہو گیا؟ اگر کہوں کہ یہ فقط میرے خیالات پریشان تھے اور جو کچھ گزر رہی ہے اسے بدخوابی تصور کروں تو اس کا کیا جواب کہ جن جن لوگوں کو میرے ہاتھ سے آزار پہنچا ہے۔ سب وہاں موجود تھے۔ اور سب کی جوروئیں میرے محل سے نکل کے وہاں پہنچ گئی تھیں۔

اسی قدر نہیں وہ سچ مچ میرے محل سے غائب ہیں۔ وہ تمام مصاحبین جو میرے

ساتھ تھے ان کا کہیں پتہ نہیں۔ اور اُن کے حق میں ان جن جنوں نے حکم دیا تھا کہ دنیا سے فنا ہو جائیں وہی ہوا۔ کسی کا بھی سراغ نہیں لگا کہ کیا ہوا زمین کھا گئی یا آسمان۔ زندہ ہوتے تو جس طرح بنتا گرتے پڑتے میرے پاس ضرور آتے سب سے زیادہ قیامت یہ کہ مجھے جو سزا دی گئی ہے اُس نے مجھے بالکل بے کار کر دیا۔ گو خدا نے ہر طرح کا سامان عیش مہیا کر دیا ہے اور عیش پرستی کی ہوس بھی دل میں ویسی ہی بلکہ پہلے سے زیادہ ہے مگر میں اُن کے لطف سے محروم ہوں اور دراصل یہی ہوس اب میرے لئے سب سے بڑا عذاب الٰہی بن گئی ہے اگرچہ میں نے عقل مندی سے اپنی اس کمزوری و بے کاری کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اور عورتوں کی جو مانگ میرے محل کے لئے تھی بدستور جاری رہی۔ لوگوں کی نظر میں نہ میرا شوق کم ہوا ہے اور نہ میرا مذاق بدلا ہے لیکن اب جو یہ سب ہو رہا ہے دراصل میرے لئے نہیں بلکہ اوروں کے لئے ہے جو چھُپ چھُپ کے میرے محل میں آتے ہیں۔ خود گنہگار ہوتے ہیں میری آبرو لے کے مجھے ذلیل کرتے ہیں۔ اور ان از غیبی جنوں کا کہنا پورا ہوتا ہے کہ آئندہ اس کی شہوت پرستی میں دیوثی کے سوا آبروریزی کی کوئی قوت نہ باقی رہے گی۔ اف کس قدر شرمناک اور ذلیل کرنے والا فقرہ تھا۔ افسوس مجھ پر ان جنوں کا جادو چل گیا ہے۔ اور میرا کچھ زور نہیں چلتا۔ دنیا کے بڑے بڑے کامل حکیموں سے مجھ سے ملاقات ہے اور جن سے ملاقات نہیں انھیں بھی ایک اشارہ کردوں تو سر آنکھوں سے دوڑے آئیں۔ مگر نتیجہ کیا؟ میرے مرض کا علاج نہ حکیم کر سکتے ہیں، نہ ڈاکٹر۔ ہاں نیک بندوں کی دعا شاید کچھ کارگر ہو۔ مگر وہ میرے حق میں دل سے دعا ہی کیوں کرنے لگے تھے؟ افسوس میرے سارے حالات طشت از بام ہو گئے۔ اور اب تو صاف کھل گیا کہ میرے ہی مردود درباریوں نے مجھے رسوا کیا۔

لیکن ایک بات ہے اگر یہ جنوں کی عدالت سچ ہے (اور یقیناً سچ ہے) تو پھر عالموں

اور ملاؤں کا عمل بھی برحق ہے۔ اگر جن دنیا میں موجود ہیں تو ان سیانوں کا دعویٰ بھی ٹھیک ہے جو کہتے ہیں کہ ہم جنوں کو اتارتے اور پکڑ کے شیشوں میں بند کر لیا کرتے ہیں بس میرا علاج اگر کوئی کر سکتا ہے تو یہی ملا سیانے کر سکتے ہیں۔ اور شاید کوئی بڑا جادوگر میری مراد پوری کر سکے۔ مگر کسی زبردست عامل تک میری رسائی کیوں ہونے لگی تھی؟ اور ایسا ٹھگی جادوگر ملنا بھی محال ہے۔

اس وقت آخر شب کا وقت ہے۔ نواب صاحب ابھی ابھی اپنے نئے ہم مذاق، بدمعاش و بدکار بے غیرت و ناہنجار مصاحبوں کی صحبت سے اٹھ کے اندر آئے ہیں۔ اور مسہری پر لیٹتے ہی ان خیالوں میں غرق ہو گئے ہیں۔ دو جوان اور خوب رو خواصیں چپی کر رہی ہیں۔ مگر انھیں بار بار ہاتھ روکنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ نواب صاحب گھڑی گھڑی کروٹیں بدلتے ہیں اور کسی طرح نیند نہیں آتی۔

آخر الجھن میں کروٹیں بدلتے بدلتے نواب صاحب نے ایک خواص کی طرف دیکھ کے کہا "سعادت! آج محل میں کوئی نئی ماہرو آئی ہے؟"

سعادت۔ "حضور، روز آتی رہتی ہیں آج بھی تین نئی پریاں محل میں داخل ہوئی تھیں۔ جن میں سے ایک تو سچ مچ کوہ قاف کی پری ہے۔ یہیں کے ایک پٹھان کی لڑکی ہے۔ مگر ایسی ماہ جبیں کہ نہ دیکھی تھی نہ سنی تھی۔ حکم ہو تو لے آؤں۔"

نواب۔ "نہیں نہیں ابھی رہنے دو۔ میں پھر بلواؤں گا۔"

سعادت۔ "حضور تو اب کسی کو خلوت سے سرفراز ہی نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سرکار کا جی بھر گیا۔ اور اب حسینوں کی صحبت کا شوق نہیں رہا۔"

نواب۔ (چونک کر اور ذرا تیزی سے) "نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ مجھے ویسا ہی شوق ہے۔

خوبرو نازنینوں کی صحبت سے بھی کسی کا جی بھرتا ہے؟ میں ایک مصلحت سے آج کل رُکا ہوا ہوں جو جو پری جمالیں آتی جائیں انھیں رکھتی جاؤ۔ اور آرام سے رکھو۔ تاکہ اچھا کھانے اچھا پہننے۔ اور روز روز حمام کرنے سے اُن کا رنگ روپ خوب نکھر جائے۔ اور اپنے دوستوں اور عزیزوں سے چھوٹنے کا غم بھی بھول جائیں۔ پھر میں اُنھیں ایک ساتھ بلانا شروع کروں گا آج کل میں ذرا پریشان ہوں۔"

حشمت: (دوسری خواص جو پہرے پر تھی) "حضور کچھ زبان سے کہیں کہ دشمنوں کو کس بات کی فکر ہے؟ ہمیں ذرا بھی پتہ لگے گا تو زمین آسمان ایک کر دیں گے اور جس طرح بنے گا حضور کی فکروں کو دور کریں گے۔"

نواب: (ایک ٹھنڈی سانس لے کر) "آہ! تمھیں سے میری پریشانی دور ہو سکتی تو پھر کیا تھا، وہ بات تمھارے اختیار سے باہر ہے۔"

سعادت: "ہمارے اختیار سے باہر سہی۔ مگر ہم جی بھر کے دوڑ دھوپ تو کرلیں گے۔"

نواب: "تمھاری دوڑ دھوپ سے کیا مطلب نکل سکتا ہے؟ اچھا بھلا تم میں سے کسی کو کوئی ایسا زبردست عامل یا جادوگر معلوم ہے جو بڑے سے بڑے جن کو جلا کے خاک کر دے؟"

سعادت: "اوئی نگوڑے عالموں اور سیانوں کی بھی کوئی کمی ہے؟ ہمارے حرام پور ہی میں بلبیوں پڑے ہیں۔"

نواب: "ہاں پڑے ہیں۔ میں بھی جانتا ہوں۔ مگر میرا مطلب اُن سے نہ نکلے گا۔ مجھے تو ایسا زبردست عامل چاہیئے جو سارے جنوں پر حکومت رکھتا ہو۔ اور کیسا ہی سخت جن ہو اس سے پیش نہ پا سکے۔ مجھے تمھارے باوا کا سا مکار عامل نہیں چاہیئے۔"

ہمارے ناظرین کو یہ سن کے افسوس ہوگا کہ یہ خواص مولوی سعد اللہ صاحب کی بیٹی ہے جو مولینا کے بھاگتے ہی پکڑ وا کر بلائی گئی تھی۔ اور اب لونڈیوں کی طرح محل میں خواصی کی خدمت انجام دیتی ہے۔ اس کا اصلی نام زبیدہ تھا۔ مگر نواب صاحب نے اپنی لونڈی بنانے کے بعد اُسے مولانا کی یاد تازہ رکھنے کے لئے سعادت کا خطاب دیا۔ اس کی ماں بھی بیٹی کے ساتھ تھی مگر چند روز ہوئے فالج میں مبتلا ہوئی اور کام کاج سے معذور دیکھ کے محل سے نکال دی گئی۔ اب وہ سعیدہ خاں کے گھر میں ایک تنگ و تاریک مکان میں رہتی ہے۔ اور بیٹی کبھی کبھی دو گھڑی کو جا کے اسے دیکھ آیا کرتی ہے نواب نے جب سعادت کے سامنے "باوا" کا لفظ کہا تو اس کے دل کو ایک چوٹ سی لگی۔ مگر ضبط کیا اور عرض کیا "حضور ایک وہ مکار تھے ساری دنیا تھوڑا ہی فریبی اور دغاباز ہے؛ دنیا میں ایک سے ایک زبردست عامل پڑا ہے"۔

نواب: "ہاں بس کوئی ایسا ہی زبردست عامل ہو جو دنیا میں جواب نہ رکھتا ہو"۔

سعادت: "کوئی پندرہ روز ہوئے لونڈی نے سنا تھا کہ حلال نگر میں کوئی بڑے زبردست ولایتی ملا آئے ہوئے ہیں۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ ان سے بڑا عامل کسی نے کہیں نہیں دیکھا ہو"۔

نواب: (دل میں کانپ کے) حلال نگر کا نام نہ لو کیا اور کہیں کوئی عامل نہ ملے گا۔"

سعادت: "یوں تو یہاں بھی بہت سے پڑے ہیں۔ مگر سنتی ہوں کہ ان کا سا زبردست عمل کسی کے پاس نہیں ہے"۔

نواب: "اچھا تو وہ یہاں چلے آئیں گے؟"

سعادت: "اب یہ ان سے پوچھوا کے عرض کر سکتی ہوں۔ خدا جانے اب وہ ہیں بھی یا نہیں۔ ایسے لوگ کسی جگہ ٹکتے کم ہیں"۔

نواب: "تو کل ہی دریافت کر کے مجھے بتاؤ۔"
سعادت: "کل پر اٹھا رکھنے کی کیا ضرورت ہے! حکم ہو تو اسی وقت دریافت کر کے عرض کروں! بندی جان محلدار نے اُن عامل صاحب کا ذکر کیا تھا میں ان سے جا کے ابھی پوچھے آتی ہوں"
نواب: "جاؤ پوچھ آؤ بلکہ بندی کو اپنے ساتھ لیتی آنا شاید مجھے کچھ اور پوچھنا ہو۔"

اجازت پاتے ہی سعادت اُٹھ کے کمرے سے باہر نکلی۔ اور محل کے اس حصّہ کی طرف چلی جہاں بندی رہتی تھی۔ دو ہی قدم گئی ہوگی کہ اُسے نواب کے اس دل خراش کلمے کا خیال آیا جو انھوں نے مولوی سعد اللہ کی نسبت کہے تھے۔ کہنے لگی: "ہائے! ابا جان نے عالم و فاضل ہو کے اس نواب کی خوشامد میں اپنی زندگی کیسی خراب کی! یہ انھیں کے اعمال ہیں کہ ان کی بیٹی بے عزت اور بے آبرو ہو کے نواب کے گھر کی لونڈی بنی ہوئی ہے! مگر اے پاک پروردگار اس میں میرا کیا قصور تھا جو اُن کے بُرے کاموں کا خمیازہ میں بھگت رہی ہوں! سچ ہے گنہگاروں کے ساتھ بے گناہ بھی راندے جاتے ہیں۔ مگر میں کسی نہ کسی طرح نواب سے اپنا بدلہ لے ہی لیتی ہوں۔ اور ہمیشہ لوں گی۔ اس نے میری آبرو لی۔ اور جہاں تک بنتا ہے ادنیٰ ادنیٰ درجے کے ذلیل لوگوں سے اس کی بیویوں کو بے آبرو کراتی ہوں۔ وہ سب اس کی بدگمانیوں کے کٹھرے میں بند ہیں مگر میں اپنی چالاکیوں سے کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی دیتی ہوں۔ لیکن کیا اس میں مجھے اپنا بدلہ مل گیا؟ ہرگز نہیں۔ ابھی بدلہ لوں گی۔ اور اس طرح کہ یہ ناپاک اور بے غیرت نواب بھی یاد کرے۔"

دل سے یہ باتیں کرتی ہوئی بندی محل دار کی کوٹھری کے دروازے پر پہنچی۔ اور دروازہ کھٹ کھٹایا۔ بندی غافل سو رہی تھی پندرہ سولہ بار دروازہ برابر کھٹ کھٹایا تو کہیں اس کی آنکھ کھلی۔ یہ سنتے ہی گھبرا کے اور کلبلا کے اُٹھ بیٹھی کہ حضور نے یاد فرمایا ہے۔ دوڑ کے

دروازہ کھولا۔ اور پوچھا "خیریت تو ہے"؟
سعادت: "ہاں خیریت ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ حضور کو کسی بڑے زبردست عامل کی تلاش ہے۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ بندی جان ایسے ہی ایک ولایتی عامل کو جانتی ہیں جو حلال نگر میں تھے۔ حکم ہوا کہ اسی وقت دریافت کرو کہ وہ کہاں ہیں؟ اور کیسے ہیں؟ اور یہاں آ سکتے ہیں کہ نہیں؟ اور تمھیں حضور میں بلایا ہے تم چل کے اتنا کہہ دو کہ ہاں میں جانتی ہوں اور ابھی تک وہ حلال نگر میں موجود ہیں"۔
بندی: "اور جو وہ کہیں کہ انھیں بلاؤ تو میں کہاں سے لاؤں گی؟"
سعادت: "اُن ولایتی عامل کو تو میں جانتی ہوں مگر تم اتنا کہہ دینا کہ وہ کہیں آتے جاتے نہیں اُنھیں کے پاس جائیے تو کام نکلے گا"۔
بندی: "مجھے کیا میں کہہ دوں گی۔ مگر دیکھو ایسا نہ ہو کہ پیچھے کو الٹی پڑے اور مفت میں میرا سر مونڈا جائے"۔
سعادت: "اس سے خاطر جمع رکھو۔ تمھاری بات جھوٹی نہ ہوگی۔ بلکہ اتنا کرنا کہ ان کے کمالات کے دو چار قصے بھی بیان کر دینا۔ اور محل میں جتنی عورتیں ہمارے جتھے کی ہیں، اُن سب سے بھی عامل صاحب کی تعریف کرا دینا"۔
بندی: "یہ سب ہو جائے گا مگر تم عامل کو تیار رکھو"۔

یہی منصوبے گانٹھتی ہوئی دونوں نواب صاحب کی خوابگاہ میں آئیں۔ نواب صاحب سوتے تو نہ تھے مگر افیونیوں کی طرح آنکھیں بند کئے ہوئے پلنگ میں تھے کہ سعادت نے چپی شروع کی۔ چونک کے پوچھا "سعادت!"
سعادت: "حضور!"

نواب: "بندی آئی؟"

بندی: (ہاتھ جوڑ کے) لونڈی حاضر ہے۔ حکم!"

نواب: "بھئی، مجھے ایک ایسے بڑے زبردست عامل کی ضرورت ہے جو سارے ہندوستان میں جواب نہ رکھتا ہو۔ سعادت سے معلوم ہوا کہ تم کسی ولایتی عامل صاحب کو جانتی ہو جو بڑے بڑے کمال دکھا چکے ہیں؟"

بندی: قربان جاؤں عامل تو وہ بڑے پائے کے ہیں سارے حلال نگر میں دھوم ہو رہی ہے۔ بہت سے آسیبوں کو انھوں نے جلا کے خاک کر دیا۔ ان کے پاس سینکڑوں بوتلیں رکھی ہیں۔ اور اُن میں بڑے بڑے جن بند ہیں۔ دیکھ کے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ پونا میں کسی مرہٹن پر کوئی زبردست دیو تھا "نرسا" انھوں نے بڑی مشکلوں سے پکڑا ہے کسی طرح ہاتھ ہی نہ آتا تھا۔ ایک بڑے بھاری قرابے میں بند کر لیا ہے۔ اور ساتھ لئے لئے پھرتے ہیں۔ ان کے اندر دیکھئے تو ہوا کے چکروں میں زرد زرد غبار سا نظر آتا ہے۔ حلال نگر میں ایک بڑے مہاجن کی بیٹی کو دس برس سے آسیب کا خلل تھا۔ اور اس بلا کا آسیب کہ جو عامل آیا اُسے اٹھا کے دے مارا۔ مگر یہی ولایتی ملا صاحب تھے جنھوں نے اسے پکڑا۔ اب وہ اچھی خاصی ہے کسی بات کی شکایت نہیں۔"

نواب: ہاں یہ زبردست عامل معلوم ہوتے ہیں۔"

بندی: "سرکار وہ زبردست تو اتنے بڑے ہیں کہ کچھوچھے شریف جا کے کوئی آٹھ دن رہے ہوں گے۔ اور جب تک وہاں رہے کوئی مزار پر نہ جاتا تھا جتنے آسیب اور سایے والے آتے انھیں کے قدموں پر آ کے لوٹنے لگتے اور اچھے ہو کے چلے جاتے۔"

نواب: "تو پھر انھیں کسی طرح یہاں بلاؤ۔"

بندی: "بلوانے کو تو شاید حضور ہی بلوا سکیں۔ لونڈی کے بلانے سے تو وہ آ چکے۔

ان میں عیب ہے تو یہی کہ کسی کے یہاں جاتے نہیں۔ اور جس شہر میں جہاں جا کے ٹھہر جاتے ہیں وہاں سے نہیں اٹھتے۔"

نواب: "تو کیا میرے بلانے سے بھی نہ آئیں گے؟"

بندی: "لونڈی کی دانست میں تو نہ آئیں گے۔"

نواب: "اچھا میں خود چلوں گا۔ کیا کہوں ملال مگر جانے کو جی نہیں چاہتا وہاں کے لوگ بڑے شریر متفنی اور چالاک ہیں۔ مگر کیا کیا جائے، مجبوری ہے۔ خیر پرسوں چلوں گا تم تیار رہنا۔ اور سعادت و حشمت تم دونوں بھی ساتھ چلوگی۔ مگر دیکھو خبردار اندر باہر کسی کو نہ معلوم ہونے پائے کہ میں کسی عامل سے ملنے کے لئے جاتا ہوں کسی کو بھی خبر ہوئی تو تینوں کو جان سے مار ڈالوں گا مگر افسوس! دنیا میں کوئی دلسوز دار نہیں ملتا میری روز کی باتیں غیروں میں پہنچ جاتی ہیں کوئی اخباروں میں چھاپتا ہے کوئی ناول بنا کے میری مٹی خراب کرتا ہے اور میں کٹ کٹ کے رہ جاتا ہوں۔ اپنی بوٹیاں نوچتا ہوں اور کوئی زور نہیں چلتا۔

دوسرا باب

ریل کا پھاٹک

تیسرے دن تیسرے پہر کو ہمارے حیران و متفکر نواب صاحب نے دو موٹریں منگوائیں ایک زنانی۔ اور ایک مردانی۔ عورتوں کی صحبت نے چوں کہ حد سے زنانہ پن مزاج میں پیدا کر دیا ہے۔ اس لئے خود زنانی گاڑی میں بیٹھے تینوں عورتیں سعادت حشمت اور بندی کو اپنے ساتھ بٹھایا۔ دوسری مردانی موٹر میں چند مصاحب اور خدمت گار بیٹھے۔ ادھر محل کے

کلاک ٹاور (گھنٹہ گھر) نے تین بجائے تھے کہ موٹریں "بھونپو" بجا کے چلیں۔ دم بھر میں ہوا سے باتیں کرنے لگیں۔ اور پورا ڈیڑھ گھنٹہ نہیں ہوا تھا کہ حلال نگر میں تھیں۔

حلال نگر کی آبادی میں داخل ہونے کے لئے ریل کی سڑک پر سے ہو کے گزرنا پڑتا تھا اس وقت اتفاق سے ٹرین آنے والی تھی لائن کھڑ ہو چکا تھا۔ اور چوکی دار نے پھاٹک بند کر دیا تھا۔ فرعون سرشت نواب کی موٹر پہونچی تو شوفر (ہنکلنے والے) نے ڈانٹ کے کہا۔ "پھاٹک کھولو" چوکیدار نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ شوفر نے دوبارہ ڈانٹ بتائی کہ آبے سنتا نہیں، پھاٹک کھول" چوکی دار ایک مسلمان پٹھان تھا۔ یہ تو تکار سن کے آپے سے باہر ہو گیا اور کہا: "آدمیت سے نہیں بات کرتا، پھاٹک نہیں کھل سکتا"

شوفر: جانتا بھی ہے کہ کس کی سواری ہے، حضور نواب صاحب حرام پور آئے ہیں"

چوکیدار خاں صاحب نے نواب حرام پور کا نام سُنا تو دل میں کچھ ایسا بغض بھرا ہوا تھا کہ تن بدن میں آگ لگ گئی۔ بگڑ کے کہا: "نواب ہے تو اپنے گھر کا ہے۔ یہاں ایسے سینکڑوں نواب ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں"

نواب صاحب ایسا سخت فقرہ اپنے کانوں سے سنیں اور تاب رہے! بلبلا کے بے تحاشا موٹر سے کود پڑے۔ تپنچہ ہاتھ میں لئے ہوئے چوکی دار کی طرف جھپٹے اور کہا: "کچھ شامت تو نہیں آئی ہے مردود کی؟ ٹکے کا نفرہ اور زبان دد ہاتھ کی! یہ کہہ کے ارادہ کیا کہ زبردستی پھاٹک کھول لیں۔

چوکیدار: (ڈھکیل کے) "منہ سنبھال کے بات کر۔ اپنی ریاست میں ٹرا ایا کرو" یہ کہہ کے پھاٹک میں قفل ڈال دیا۔ اور بولا "دکھاؤں جھنڈی؟ اور بلاؤں پولیس والوں کو؟"

مگر نواب صاحب اُسی طرح بگڑے ہوئے اور بالکل آپے سے باہر تھے۔ اتنے میں

مصاحبوں نے دوسری موٹر سے اتر کے سمجھانا شروع کیا کہ حضور اپنی طرف ملاحظہ فرمائیں کس نفرے کے منہ لگتے ہیں۔"

ادھر چوکی دار خاں صاحب نے لال جھنڈی دکھادی تھی۔ اسٹیشن کے بہت سے آدمی اور پولیس کے جوان آپہونچے۔ اور یہاں یہ تماشا دیکھا کہ چوکی دار ـــ نواب پر یہ الزام قائم کررہا ہے کہ انھوں نے سرکاری ملازم کے اپنا فرض بجالاتے وقت اس کو تپنچہ دکھایا دوسری طرف نواب صاحب اُسے گالیاں دے رہے ہیں۔ اور تیسری عورتیں جو موٹر کے اندر گلا پھاڑ پھاڑ کے کوس رہی ہیں کہ "مونڈی کلٹے کے منہ کو جھلسا لگے۔ اللہ کرے اسے سانپ ڈسیں۔ موئے کی قبر میں کیڑے پڑیں۔" اسٹیشن والوں کو دیکھتے ہی نواب صاحب نے غیظ و غضب سے کہا: "میں اسی وقت لاٹ صاحب کو تار دوں گا۔ اور سب گواہ رہیں کہ لوگ مجھ سے کیسی گستاخی کے ساتھ پیش آئے۔"

ریلوے سب انسپکٹر: (جو چوکی دار کا بیان سن چکا تھا) "سب گواہ ہیں ان کے نام لکھ لیجئے اور آپ شوق سے تار دیں۔ مگر ہم اس وقت آپ کا چالان کرنے پر مجبور ہیں۔ پھاٹک ریلوے کمپنی کے حکم سے بند تھا۔ آپ نے سرکاری آدمی کو تپنچہ سے دھمکایا۔ اُسے مارا۔ اور زبردستی پھاٹک کھولنے کا قصد کیا۔ تپنچہ ادھر لائیے۔ یہ عدالت میں پیش ہوگا۔"

نواب: "میں نے اس لئے دھمکایا کہ اس نے میرے ساتھ گستاخی کی تھی۔ لیکن میں نے فیر نہیں کیا۔"

سب انسپکٹر: "بس یہی چل کے عدالت میں بیان کر دیجئے گا۔" اپنے دو جوانوں سے "لے لو انھیں حراست میں۔" یہ رنگ دیکھا تو نواب صاحب کے ہوش رفو چکر ہوئے۔ اور سب انسپکٹر سے کہا "آپ بغیر لاٹ صاحب سے دریافت کئے ہم پر مقدمہ نہیں چلا سکتے۔"

سب انسپکٹر: "ہمیں اس قسم کا کوئی حکم نہیں ملا ہے۔ اور اگر ایسا ہے تو آپ عدالت سے چھوٹ جائیں گے۔ لیکن اس وقت تو چالان ہوگا۔"

ان سب کا رنگ فق تھا۔ اور نواب صاحب کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا۔ اور ایک جاتا تھا۔ ساری فرعونیت اور انانیت خواب خرگوش ہوگئی۔ اور عاجزی کے ساتھ کچھ کہنے کو تھے کہ ریلوے ٹرین آگئی جس نے دم بھر کے لئے سب کو خاموش کر دیا۔ اور اس کے گزر جانے کے بعد پولیس مین نے بڑھ کے نواب صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ دیکھ کے نواب صاحب کے مصاحب سب انسپکٹر کو منت وسماجت کرکے الگ ہٹا لے گئے اور کہا حضور جانے بھی دیں۔ یوں بھی آپ جانتے ہیں کہ نواب صاحب کو سزا ہونے سے رہی۔ آپ یہ دو ہزار روپیہ کے نوٹ اور ہیرا الماس کی انگوٹھی لے لیں اور درگزر کریں مگر شرط یہ ہے کہ اس معاملہ کی سرکاری رپوٹ نہ ہو۔

سب انسپکٹر نے خاموشی کے ساتھ وہ انگوٹھی اور نوٹ لے کے اپنے ایک دوست کے حوالے کئے۔ اور کہا "خیر خاطر ہے۔ مگر نواب بھی اس معاملے کو حکام تک نہ پہنچائیں۔"

مصاحب: ہرگز نہیں۔ بھلا وہ اپنی ذلت کریں گے؟"

یہ معاملت ہوتے ہی نواب صاحب بلا سے چھوٹ کے اپنی موٹر میں بیٹھے۔ مصاحب اپنی موٹر میں گئے۔ پھاٹک کھل ہی چکا تھا۔ سب نے آگے کی راہ لی۔ اور سب انسپکٹر نے دل میں کہا خدا کی کریمی کے صدقے! یہ مفت کی انگوٹھی اور دو ہزار کی رقم خوب دلوائی۔"

موٹر کے روانہ ہونے کے بعد جب نواب صاحب کے حواس درست ہوئے تو بولے "خدا نے بڑی خیریت کی۔"

بندی: "اے حضور بڑی خیریت! لونڈی تو ڈری ہوئی تھی کہ یہ موا اجڈ اور جلا ہوا پٹھان دشمنوں کی جان پر حملہ نہ کر بیٹھے۔"

نواب صاحب: "یہ کیوں؟ میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟"
بندی: "حضور کو نہیں خبر۔ اے یہ تو پرانا دشمن ہے۔ یہی غنیمت جانیئے کہ اس نے میری صورت نہیں دیکھی ذرا بھی جھلکی دیکھ لیتا تو غضب ہی ہو جاتا۔"
نواب صاحب: "آخر دشمنی کا سبب؟"
بندی: "حضور کو یاد ہو گا وہ خوب صورت سی گدبدی عورت نہ تھی زیب النساء؟"
نواب صاحب: "کون زیب النساء؟ اس نام کی بہت سی آچکی ہیں۔ کچھ پتہ دو تو سمجھ میں آئے۔"
بندی: "اے حضور وہ جو کئی سال ہوئے دس پندرہ دن تک خوب ہلی ملی رہی تھی پھر اسکے بعد ایک دن چھپا کے استرا لے آئی تھی کہ حضور کو دنیا کے کام ہی کا نہ رکھے میں تلاشی نہ لوں تو غضب ہو گیا تھا۔ خیر حضور نے اس جرم کی سزا میں اسے قید کر دیا تھا۔ اور وہ کوئی جتن کر کے بھاگ گئی تھی۔"
نواب صاحب: "ہاں ہاں مجھے خوب یاد ہے۔ بھلا اُسے بھول سکتا ہوں؟ مگر اس کو یہاں سے کیا تعلق؟"
بندی: "چوکی دار پٹھان اُس کا چچا ہے جب وہ قید سے بھاگ کر اپنے گھر آئی تو میاں نے کہا میں ایسی عورت کے ساتھ نہ رہوں گا جو بے آبرو ہو چکی ہے۔ اور مُنھ چھپا کے کسی طرف نکل گیا۔ اسی کے غم میں زیب النساء زہر کھا کے مر گئی۔ اور اس کے دو ننھے بچوں کو یہی پٹھان پال رہا ہے۔ اور جانتا ہے کہ اسکے گھر کی تباہی حضور کی وجہ سے ہوئی۔"
نواب صاحب: "خیر شکر کرنا چاہیئے کہ خدا نے بڑی آفت سے نجات دلائی۔"
سعادت: (جو دل میں خوش تھی) "ہائے آفت سے آفت!"

بندی: "میں نے منت مانی ہے کہ گھر چل کے مولا مشکل کشا کے کونڈے کروں گی۔"

نواب صاحب اگرچہ اس وقت پریشان تھے۔ مگر فطری زندہ دلی بھلا کہیں جاتی ہے؟ کونڈوں کا نام سنتے ہی ہنس کے بولے "تمھارا کونڈا[1] میں کروں گا۔"

نواب کا یہ مذاق سُن کے بندی دل میں تو کانپ گئی۔ مگر زبان سے کہا: "حضور کو اختیار ہے۔ جس طرح چاہیں جان لیں۔ مگر لونڈی کس قابل ہے؟"

تیسرا باب
شادی کی محفل

اب نواب خاموش تھے اور دل ہی دل میں اپنے اوپر نفرین بھیج رہے تھے کہ بندی نے کہا: "اب حضور چل کے ہوٹل میں ٹھہریں۔ مجھے اور سعادت کو اجازت دیں کہ ہم دونوں جا کے ان ولایتی عامل صاحب کا پتہ لگائیں۔ حشمت حضوری میں حاضر رہے گی۔"

یہ کہہ رہی تھیں کہ موٹریں اس عالی شان ہوٹل میں پہونچیں جہاں نواب صاحب کئی بار ٹھہر چکے تھے۔ ریلوے لائن پر ایسا واقعہ پیش آچکا تھا کہ ہوٹل پہونچنے پہونچتے سارے شہر میں نواب صاحب کے درود کی خبر ہو گئی۔ اتفاقاً آج ہی رات کو مولوی جابلت سیمن

---

[1] کونڈا کرنا دربار حرام پور کی ایک خاص شرمناک اصطلاح ہے جس کی تشریح و توضیح کو ہماری تہذیب نہیں برداشت کر سکتی کبھی دل لگی کے لئے اور کبھی سزادہی کے طریق پر عورتوں کیساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے۔ افسوس کہ نواب کی اس فحش دل لگی سے اکثر عورتیں مہینوں اٹھنے کے قابل نہیں رہیں۔ اور بعض جان بر نہ ہو سکیں۔

نام حلال نگر کے ایک رئیس اعظم کے یہاں بیٹے کی شادی کی تقریب تھی۔ اور بڑے تزک احتشام سے محفل رقص و سرود منعقد ہونے والی تھی۔ مولوی صاحب کو جو معلوم ہوا تو اسی وقت ہوٹل میں حاضر ہو کے اپنی اطلاع کرائی اور باریاب ہوتے ہی عرض کیا "آج غلام زادے کا عقد ہے اگر حضور قدم رنجہ فرمائیں گے تو عزت افزائی ہوگی۔"

نواب صاحب: "آپ کو بلانا تھا تو میرے وہاں حرام پور میں رقعۂ دعوت بھیجا ہوتا میں مہمان ناخواندہ بن کے نہیں آنا چاہتا۔"

مولوی صاحب: "حضور غلام کی اتنی حیثیت نہ تھی کہ حضور کو وہاں حاضر ہو کے دعوت دیتا۔ لیکن اب میری خوش نصیبی سے حضور رونق افروز ہو گئے ہیں تو عزت افزائی کرنے میں تامل نہ فرمائیں۔"

نواب صاحب: "اچھا یہ بتائیے کہ آپ کے یہاں محفل میں مجرے کو کون کون طائفے آئیں گے۔"

مولوی صاحب: "حضور قرب وجوار کے تمام نامی طائفے ہیں۔"

نواب صاحب: "اچھا میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ کی دل شکنی ہو۔ آؤں گا۔"

مولوی صاحب نے سنتے ہی اظہار مسرت کے لئے نذر دکھائی۔ اور رخصت ہو کے واپس گئے کہ میزبانی کا شاہانہ سامان کریں۔

ان کے جانے کے بعد نواب صاحب نے بندے اور سعادت سے کہا "اب تم جا کے ان عامل صاحب کا پتہ لگاؤ۔ اور سب دریافت کر لینا کہ وہ میرے پاس آئیں گے یا نہیں اور نہ آئیں تو پھر کہاں ملیں گے۔ ان سب باتوں کا پتہ لگا کے کل جب میں اٹھوں تو مجھے خبر کرنا۔ میں آج رات کو مولوی وجاہت حسین صاحب کے یہاں شادی میں جاؤں گا۔"

دونوں عورتوں نے بجا آوری حکم کا وعدہ کیا۔ اور نواب صاحب نے کچھ کھاپی کے کپڑے پہنے۔ اور رات کے کوئی دس بجے ہوں گے کہ مصاحبوں کے ساتھ موٹر پر سوار ہو کے مولوی وجاہت حسین کے گھر پہنچے۔ غُل پوری محفل میں غل ہوا کہ "نواب صاحب آ گئے"! مولوی صاحب تمام معزز مہمانوں کے ساتھ دروازے پر آئے کہ گرمجوشی سے استقبال کریں۔ مگر نواب صاحب نے کسی طرف توجہ ہی نہ کی کسی کو نگاہ اٹھا کے بھی نہ دیکھا سب لوگ منتظر ہیں کہ نواب صاحب نظر اٹھائیں تو جھک کے آداب بجا لائیں۔ مگر نواب صاحب نے نہ کسی کا سلام لیا، نہ کسی کو آنکھ اٹھا کے دیکھا۔ موٹر سے اتر کے سیدھے محفل کی طرف لپکے۔ بھری محفل تھی۔ ہزارہا معززین شہر کا مجمع تھا۔ دولھا نے ادب سے کھڑے ہو کے مسند خالی کر دی کہ نواب صاحب رونق افروز ہوں گے۔ مگر نواب صاحب نے کسی طرف رخ نہ کیا محفل کے اندر قدم رکھتے ہی سیدھے اس رنڈی کے پاس پہنچے جو کھڑی مجرا کر رہی تھی۔ اور منھ قریب لے جا کے اُس کی صورت دیکھی تو تعجب کے لہجے میں کہا: "چندا!" اور ہاتھ پکڑ کے اُسے شہ نشین پر کھینچ کر لے گئے۔ اور حکم دیا کہ دوسرا طائفہ کھڑا ہو۔ اب سب لوگ حیران ہیں کہ کیا کیا جائے۔ مولوی وجاہت حسین اس خیال میں تھے کہ اپنے بیٹے کو جو دولھا بنا ہے پیش کر کے اُس سے نذر دلوائیں گے۔ پھر اپنے دوسرے بیٹوں اور عزیزوں سے نذر دلوا کے اُنھیں باریاب کرائیں گے۔ ساری محفل میں ہر شخص کو خیال تھا کہ کم از کم نواب صاحب کی خدمت میں آداب بجا لانے کا موقع ملے گا۔ لیکن سب سناٹے میں ہیں۔ نواب صاحب کسی کی طرف نظر اٹھاتے ہی نہیں۔ چندا کو گود میں لیے ہوئے شہ نشین پر بیٹھے ہیں جہاں سب کی نظریں پڑتی ہیں۔ اور ہر شخص ان کی ہر حرکت کو اپنی جگہ سے دیکھ رہا ہے۔ لیکن نواب صاحب کو پروا نہیں۔ کمال بے تکلفی کے ساتھ چندا سے باتیں کر رہے ہیں۔ چندا مارے شرم کے دل میں کٹی جاتی ہے۔ ہاتھ پاؤں مارے الگ ہوتی ہے۔ مگر نواب صاحب

پھر کھینچ کے گود میں بٹھا لیتے ہیں سینے سے لگاتے لپٹاتے۔ اور بوسہ بازی کرتے ہیں۔
شادی کی محفل چھوٹے بڑے سب ہی شریک ہیں۔ بوڑھے اور بچے سب مجری دیکھنے کو
آئے ہیں۔ بیٹے باپوں کے پاس اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اپنے بزرگوں کی گود میں بیٹھی ہوئی
ہیں۔ سب شرما شرما کے نظریں نیچی کر لیتے ہیں مارے غیرت کے پسینہ پسینہ ہو جاتے
ہیں۔ مگر نواب صاحب کو غیرت اور شرم سے کیا علاقہ! انھیں تو پبلک کو اپنی فراخی کا ثبوت دینا ہے۔

اس چندا رنڈی پر نواب صاحب بہت دنوں سے مٹے ہوئے تھے فریفتہ ہو کے
اُسے اپنی ریاست میں لے گئے تھے اور اُس سے بے انتہا پینگ بڑھے ہوئے تھے۔ مگر وہ
لاکھ رنڈی تھی۔ پھر بھی غیرت دار تھی۔ نواب صاحب کی بے حیائیوں بے غیرتیوں اور
بدتمیزیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی پہلے تو انھیں ان حرکتوں سے روکا اکیلے میں
بیٹھ بیٹھ کے سمجھایا۔ مگر جب دیکھا کہ سمجھانے کا الٹا اثر پڑتا ہے تو ڈری کہ ایسا نہ ہو
بہائم صفت نواب آبرو لینے کا درپے ہو جائے۔ کونڈوں کی بارہا سیر کر چکی تھی۔ بظاہر تو نواب
سے ملی رہی مگر چپکے ہی چپکے بند و بست کر کے حرام پور سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور اپنا مال
و اسباب بھی نکال لائی۔ اب اُس کے لانے اور پھسلانے کے لئے نواب کے مصاحبین
دوڑنا شروع ہوئے سب نے سمجھایا ہر طرح کا لالچ دلایا مگر اُس نے صاف انکار کیا اور
کہا میں حرام پور پر لعنت بھیجتی ہوں۔ آج اس صحبت میں جو اتفاقیہ مل گئی تو نواب صاحب نے
پھر اسے پھسلانا شروع کیا اور ساتھ جانے پر لاکھوں قسمیں دلائیں۔ مگر اس نے جو نہیں کی تو
پھر کیا مجال تھی کہ زبان سے ہاں نکلے۔ نواب صاحب سمجھتے تھے کہ میری ان بیحیائی کی حرکتوں سے
وہ مجھ پر فریفتہ ہو جائے گی۔ اور اُسے زیادہ نفرت ہوتی جاتی تھی۔

آخر اپنی تمام کوششوں میں عاجز آ کے نواب صاحب نے منھ پھلا لیا۔ اور جس طرح

بے تکان آئے تھے اسی طرح بے تکان اٹھ کے چلے گئے۔ وجاہت حسین کو ندامت تھی کہ ایسے بے ہودہ کو کیوں بلایا تھا اور ساری محفل لعنت بھیج رہی تھی کہ نواب کی بدتمیزیوں سے صحبت بے مزہ ہو گئی۔ اور بجائے کامل فن ارباب نشاط کے اس بیہودہ او بدتمیز نواب کی بیحیائیوں کا مجرا دیکھنا پڑا۔

چوتھا باب

ہوٹل کی سرگذشت

رات کے تین بجے ہوں گے کہ نواب صاحب ہوٹل میں پہونچے۔ وہاں پہونچے تو ایک ہنگامہ نظر آیا۔ نواب صاحب کے آنے کی خبر سنتے ہی حلال نگر کے ایسے پاک صاف شہر میں زناکاری وشہوت پرستی کی دنیا میں حرکت پیدا ہو گئی تھی۔ شہر کے سارے کٹنے اور اکثر بازاری رنڈیاں جمع ہو گئی تھیں کہ باریابی کی عزت حاصل کریں۔ بہت سے ناچنے والے کتھک کے لونڈے جن میں ذرا بھی رسیلا پن تھا پکڑ لائے گئے تھے۔ اور یہ سارا طوفان بدتمیزی ہوٹل کے گرد وپیش منڈلا رہا تھا۔ نواب صاحب کے آتے ہی سب کے سب اندر گھس پڑے۔

اتفاق سے ایک معزز یورپین مع اپنی لیڈی کے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ شور وہنگامہ سے اُن کی نیند اچٹ گئی۔ باہر نکل کے یہ شور محشر اور یہ بیحیائی کا مجمع دیکھا بیرا سے بلا کے پوچھا یہ کیا آفت ہے؟ اُس نے کہا "نواب حرام پور آئے ہوئے ہیں۔ اور یہ سب لوگ انھیں سے ملنے کو آئے ہیں" سنتے ہی صاحب کو غصہ آگیا۔ ڈنڈا لے کے باہر نکلے۔ اور حکم دیا کہ "نواب کو اور سارے آدمیوں کو اسی وقت نکال دو"۔ انگریز کا حکم بھلا اُسے کون ٹال سکتا تھا؟ فوراً ہوٹل کے سارے ملازم جمع ہو گئے۔ اور لوگوں پر بے تحاشا ڈنڈے پڑنے لگے۔ سب کے سب بدحواسی کے ساتھ گرتے پڑتے بھاگے۔

اور کسی کا پتہ نہ تھا۔ اسی سلسلے میں بیراؤں نے نواب صاحب کا اسباب بھی باہر نکال کے پھینک دیا۔ اور سنتے ہیں کہ دو ایک ہلکے سے ڈنڈے بھی اُن پر پڑ گئے۔ مرتا کیا نہ کرتا موٹر میں بیٹھ کے ہوٹل سے باہر نکلے۔ دونوں موٹریں قریب ہی سڑک کے کنارے ایک مقام پر روک لیں اور انھیں میں درختوں کے نیچے بسیرا لیا۔

صبح کو آنکھ کھلی تو دیکھا کہ بندی اور سعادت بھی موجود ہیں گو کہ عجیب مصیبت و بے خانماںی میں رات کاٹی تھی مگر حشمت کی چیں سے آنکھ کھل ہی گئی۔ انگڑائی لے کے پوچھا "کہو تم نے اُن عامل صاحب کا پتہ لگایا۔ خدا جانے کس منحوس گھڑی گھر سے چلا تھا کہ جو بات پیش آتی ہے الٹی ہی ہوتی ہے۔ وہاں ریل کے پھاٹک پر وہ ماجرا پیش آیا۔ چنداکی لاکھ خوش آمد کی کم بخت نے ایک نہ سنی۔ ہوٹل میں رات کو جو آفت سر پر آئی وہ سب پر بالا ہے۔ تم بھی کوئی ایسی ہی خبر لائی ہوگی۔"

بندی: "قربان جاؤں بالکل ایسی تو نہیں ہے۔ مگر جھگڑا اس میں بھی پڑ گیا۔"

نواب: "وہ تو میں پہلے ہی سے سمجھا تھا۔ خیر بتاؤ اس میں کیا جھگڑا پڑا؟"

بندی: "خداوندان عامل صاحب کا نام ملا مراد ہے۔"

نواب: (بات کاٹ کر) "نام تو اچھا اور مبارک ہے۔"

بندی: "جی ہاں اُن کے پاس جانے سے مراد پوری ہو ہی کے رہتی ہے۔ مگر لوگوں نے انھیں اس قدر گھیرا اور ستایا کہ ہلال نگر کو چھوڑ کے کوئی پانچ کوس پر ایک جنگل میں جا کے بیٹھ رہے ہیں۔ وہاں ہندو جوگیوں کی طرح دھونی رمائے بیٹھے رہتے ہیں اور کوئی لاکھ بلائے اور چاہے کیسا ہی لالچ دلائے اپنی جگہ سے نہیں اٹھتے۔"

نواب: "تو کیا مضائقہ ہے؛ موٹر میں بیٹھ کے ہم دم بھر میں پہونچ جائیں گے۔"

سعادت: "مگر حضور خرابی تو یہ ہے کہ وہاں بھی دن کو وہ کسی کو اپنے پاس نہیں پھٹکنے دیتے۔ فقط رات کو آٹھ بجے کے بعد ملتے ہیں۔"

نواب: "خیر وہ جب ملیں۔ تمھیں وہ جگہ تو معلوم ہے جہاں ہیں؟"

سعادت: جی ہاں! ہم اور بندی، دونوں اس جگہ کو خود جا کے دیکھ آتے ہیں مگر فقط جگہ معلوم ہو گئی۔ اُن کا پتہ نہ تھا۔ دن کو خدا جانے کہاں غائب ہو جاتے ہیں سنتی ہوں کہ لوگوں نے جا کے چاروں طرف کی خاک چھان ڈالی مگر انھیں نہ پایا۔"

نواب: "پھر تو آج رات کو چلو۔ چاندنی رات ہے جانا اور آنا لطف سے خالی نہ ہوگا۔"

بندی: "قربان جاؤں ایک شرط بڑی ٹیڑھی ہے۔"

نواب: "وہ کیا؟"

بندی: "حضور وہ شرط یہ ہے کہ جو اُن سے ملنے کو جائے پیدل جائے یا گاڑی پر ہو تو اتنی دور پر گاڑی چھوڑ دے کہ اُنھیں پتہ نہ لگے۔ موٹر کی آواز اور وہ بھی رات کو میلوں تک جاتی ہے۔ اور اُنھیں کہیں پتہ لگ گیا کہ یہ لوگ موٹر پر آئے ہیں تو بُرا ہوگا۔"

نواب: "کیا مضائقہ ہے۔ ہم موٹر کو ایک میل ادھر چھوڑ دیں گے۔ اور چاندنی میں ٹھنڈے ٹھنڈے ٹہلتے چلے چلیں گے۔ وہاں اور کوئی ہونے سے رہا جس کے دیکھ لینے کا ڈر ہو۔"

سعادت: اور کوئی کیوں ہونے لگا تھا؟ اور بھئی میں کیا جانوں۔ شاید کوئی ہو۔ لوگ دور دور سے اُن کے پاس آتے ہیں۔ اور ان کا وقت رات ہی کا ہے۔"

نواب: "تو ہم دور سے دیکھ لیں گے کہ کوئی اور تو نہیں ہے۔ اور جب سب ہٹ جائیں گے تب جائیں گے۔ لیکن وہاں تو ہم رات کو چلیں گے دن کو کہاں چل کے ٹھہریں؟"

بندی: یہ مُوا انگریز بڑا ظالم نکلا۔ تین بجے رات کو ہوٹل سے نکلوا دیا۔ اور کمبخت

ہوٹل والوں کو بھی خیال نہ آیا کہ کیا کر رہے ہیں؟"

نواب: "یہ صرف پرانی عداوت کی وجہ سے ہے نینی تال میں بھی ایک دفعہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ بلکہ وہاں تو ان لوگوں نے مجھے منع کر دیا کہ جہاں انگریز لوگ رہتے یا ٹھہرتے ہوں نہ ٹھہرا کرو۔ دل بگر دیکھو لاٹ صاحب سے مل کے کیا کرتا ہوں سب باتوں کا بدلہ نہ لیا تو بائیں مونچھ منڈوا ڈالوں گا اور یہاں تو ارادہ ہے کہ اپنا ایک ذاتی مکان مول لے لوں۔ لیکن اس شہر کے بدمعاشوں کا خیال آتا ہے تو دل میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔"

سعادت: "لیکن آج دن بھر حضور کہاں رہیں گے؟"

نواب: "کیا کہوں! چندا کے وہاں اچھی خاصی طرح جا کے ٹھہر جاتا لیکن اس ظالم نے رات کو ایسی سنگ دلی اور بیوفائی کی کہ اُس کی صورت سے بھی نفرت ہو گئی خیر کسی اور ہوٹل میں جا کے ٹھہر جاؤں گا"

یہ کہہ کے مصاحبوں کو روانگی کا حکم دیا۔ اور سواری ایک دوسرے ہوٹل میں رونق افروز ہوئی۔ جہاں پہونچتے ہی نواب صاحب نے حسب عادت سارا دن خواب خرگوش میں بسر کیا مغرب کے وقت اٹھے اور ملا صاحب کے پاس جانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔

پانچواں باب

ملا کی ملاقات

چاندنی رات ہے۔ اور گرمیوں کا موسم ظلمت کدۂ شب میں چاند کا قمقمہ روشن ہے۔ آٹھ بج چکے ہیں۔ اتنے میں دو موٹریں خاک اڑاتی اور ہوا سے باتیں کرتی ہوئی حلال نگر کے شمالی ناکے سے نکلیں۔ ماہتاب داہنی جانب کے افق سے بلند ہو کے سیم تنانِ فلک کی محفل میں اس بے باکی سے گھس پڑا ہے جیسے ہمارے نواب حرام پور ایک دن اپنے وزیر کے زنانے میں

گھس پڑے تھے۔ اور اُن کے خوف سے گھر کی بیبیاں ادھر ادھر بھاگ گئی تھیں۔ لیکن جو بدنصیب بہو بیٹیاں زبردستی روک لی گئی تھیں اُن کے چہرے اسی طرح اتر گئے تھے جیسے اس وقت ماہتاب کی بیباکیوں سے چند نظر آنے والے آتش رخانِ فلک کے چہرے اُترے ہوئے ہیں یا شاید یہ ہوا کہ اُن بادرفتار موٹروں کو دیکھ کے جن پر نواب حرام پور اور ان کے مصاحب سوار ہیں اور ان کی سیہ کاریوں کے خیال سے شرما کے پاک دامن حسینانِ فلک نے اپنی آنکھیں بند کرلی ہیں۔

دم بھر میں موٹریں میدانوں اور گھنے درختوں میں گذرتی ہوئی کئی کوس نکل گئیں اور یکایک بندی جان نے جو نواب کے برابر بیٹھی تھی چلا کے کہا "بس بس! حضور موٹریں رکوایئے دیکھئے وہ اندھیرے میں دور پر مٹے مٹے درخت نہیں نظر آرہے ہیں! انھیں میں مُلّا صاحب ہیں"۔

فوراً نواب صاحب کے حکم سے موٹریں روک لی گئیں سب لوگ سڑک پر اتر پڑے اور نواب نے بندی کی طرف دیکھ کے پوچھا "میں اکیلا چلوں۔ یا ان سب لوگوں کو بھی ساتھ لے لوں؟"

بندی: "نہیں حضور کو بالکل تنہا جانا پڑے گا ملّا صاحب کے سامنے تو ہم بھی حضور کے ساتھ نہیں جا سکتے۔ مگر ان سب صاحبوں کو حکم دیجئے کہ یہیں ٹھہرے رہیں"۔

نواب: "بھئی میں تو تنہا نہ جاؤں گا۔ مجھ سے کچھ کہا سنا نہ جائے گا"۔

بندی: یوں تو ہم دونوں پاس ہی حاضر رہیں گے۔ مگر اُن کے سامنے ہم سب کے ایک ساتھ جانے میں خوف ہے کہ بگڑ نہ جائیں۔ سنتی ہوں کہ وہ بڑے نازک مزاج ہیں۔ اور ذرا ذرا سی باتوں پر بگڑ کھڑے ہوتے ہیں"۔

نواب: "تو پھر پہلے تم ہی جا کے ملو۔ اور میرا ذکر کرو جب وہ اجازت دیں تو مجھے بلا لینا"۔

سعادت: "ہمیں عذر نہیں۔ شاید ہماری التجا اور خوشامد پر انھیں ترس آجائے"۔

اس قرارداد کے مطابق مصاحبین یہیں ٹھہر گئے۔ اور نواب اس وضع سے

بوقدمی چال چلتے ہوئے آگے بڑھے کہ داہنی طرف بندی تھی اور بائیں طرف سعادت اور حشمت۔ کوئی آدھ گھنٹے میں اُن درختوں کے قریب پہونچے۔ مگر دل کی یہ حالت تھی کہ جو جوں آگے بڑھتے منظر بھیانک اور خوف ناک نظر آتا۔ دور سے درختوں کے اندر الاؤ کی روشنی میں کچھ لوگ چلتے پھرتے دکھائی دیئے۔ مگر جب قریب گئے اور درختوں کے جھنڈ کے اندر قدم رکھا تو کوئی نہ تھا۔ اکیلے ملّا صاحب الاؤ سے ذرا فاصلے پر خاموش بیٹھے تھے۔ اور آپ ہی آپ نظر آنے والے رجال غیب سے باتیں کر رہے تھے۔

ان کی سفید نورانی ڈاڑھی پر آگ کی شعاعیں پڑ رہی تھیں۔ اور حرکت کرنے میں ایسا معلوم ہوتا جیسے ڈاڑھی کے اندر جا بجا بہت سے جگنو چمک جاتے ہیں۔ چہرے سے باوجود بڑھاپے کی نورانیت کے ایک دل پر ناگوار اثر ڈالنے والی صلابت اور کرختگی نمایاں تھی۔ سر پر بڑا بھاری عمامہ تھا جس کا بوجھ ان کے سر کو چاہے نہ محسوس ہوتا ہو مگر دیکھنے والوں کے دل پر اس لئے ناقابل برداشت تھا کہ ان کے دلوں تک پہونچتے پہونچتے رعب اور خوف بن جاتا۔ گلے میں ایک لمبا اور نہایت اجلا کرتا تھا۔ اور کمر میں سیاہ تہمت۔

اس سناٹے میں یہ صورت دیکھتے ہی نواب صاحب کو جنون کا وہ دربار یاد آ گیا جس میں انھیں سزا دی گئی تھی۔ اور بے اختیار دل میں خیال گذرا کہ یہ ملّا صاحب کوئی جن تو نہیں ہیں؟ اپنا یہ خیال وہ جھک کے بندی کے کان میں کہنے ہی کو تھے کہ وہ انھیں ایک درخت کی آڑ میں چھوڑ کے آگے بڑھ گئی اور قریب جاتے ہی ملا صاحب کے سامنے سجدے میں گر پڑی۔ ملا صاحب نے اس کی طرف نظر اٹھائی تھی۔ اور کچھ کہنے کو تھے کہ سعادت بھی جا پہونچی۔ اور جھک کے اُن کے قدم چوم لئے۔

ملا صاحب نے دو عورتوں کو ایک ساتھ دیکھا تو چونک سے پڑے۔

ایک لمحے کے لیے خاموش اور دم بخود رہے پھر نہایت ہی بھاری اور ڈراؤنی آواز میں بولے "تم دونوں کون ہو؟ یہاں جنگل بیابان میں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتیں"۔

سعادت: (جو خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی) "آپ ہزار بھگائیں مگر ہم بھلا ان مبارک قدموں کو چھوڑ سکتے ہیں؟"

ملا: (اسی مہیب لہجہ میں) "آخر مجھ میں کیا ہے جو تم یوں راتوں کو گھر چھوڑ چھوڑ کے اس وحشت ناک مقام میں میرے پاس دوڑی آتی ہو؟

سعادت: "فقط اس لئے کہ حضور توجہ کی نظر فرمائیں"۔

ملا: میرے توجہ کرنے سے کیا ہو جائے گا؟ خیر اب فضول باتیں نہ کرو۔ تمہارا مطلب کیا ہے؟

سعادت نے جواب میں نواب صاحب کی تقریب کا رُخ کیا ہی تھا کہ بندی جانی جو زیادہ ہوشیار اور زمانہ شناس عورت تھی ہاتھ جوڑ کے عرض کیا: "حضور وعدہ فرمائیں کہ ہماری حاجت روائی فرمائیں گے"۔

ملا: "وعدہ؟ وعدہ میں کسی بات کا نہیں کر سکتا۔ خدا کے معاملات میں کون دخل دے سکتا ہے؟"

بندی: (اسی طرح ہاتھ جوڑے ہوئے) "مگر حضور اس کی درگاہ میں دعا تو کر سکتے ہیں"۔

ملا: (بگڑ کے) "میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ تم اپنا مطلب تو بیان کرو"۔

بندی: (قدموں پر سر رکھ کے) "پہلے حضور وعدہ تو فرمالیں؟"

ملا: "تم لوگ مجھے بہت ستاتی ہو۔ کہیں آرام سے نہیں بیٹھنے دیتیں۔ اچھا کہو۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکے گا تمھاری مدد کروں گا"۔

بندی: "میں ایک صاحب کو اپنے ساتھ لائی ہوں اجازت ہو تو انھیں سامنے لا کے حاضر کروں؟

انھیں کی آرزو میری آرزو ہے۔ اور جو وہ مانگیں وہی لونڈی کی مُراد ہے ؟"

ملاّ: "ابی اسی اور کو بھی اپنے ساتھ لائی ہو؟ بغیر مجھ سے پوچھے کسی کو کیوں لے آئیں؟ اور جسے ساتھ لائی ہو کیا اُسے خود آتے شرم آتی تھی جو تمھاری سفارش اُٹھوا تلہے؟"

سعادت: "حضور وہ اس قدر پریشان ہیں کہ ان باتوں کے سوچنے کی نوبت ہی نہیں آتی"

ملاّ: (برہمی کے ساتھ) "اب یہ لوگ مجھے یہاں بھی نہ رہنے دیں گے بھیڑ لگا لگا کے آتے ہیں۔ میرے اذکار واوراد میں خلل ڈالتے ہیں۔ اور جب تک نہ ملول جان نہیں چھوڑتے۔ خیر بلاؤ۔"

یہ جواب پاتے ہی بندی اٹھی اور دوڑ کے نواب صاحب کو بلا لائی جو پیڑ کی آڑ میں سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ اور اس قدر خوف زدہ تھے کہ آگے قدم نہ اُٹھتا تھا بندی نے انھیں زبردستی کھینچ کے درخت کی آڑ سے نکالا دھکیلتی ہوئی لائی اور ملا صاحب کے قدموں پر گرا دیا۔

نواب صاحب بھلا کسی کا ایسا ادب کرتے ؟ یہ مغرور پُرشور سر بھلا ممکن تھا کہ کسی کے سامنے جھکے ؟ یہ مکروہ چہرہ اور یہ حقیر ہاتھ پاؤں خدا جانے کیسے کیسے عالموں کتنے بڑے بڑے فاضلوں کی تحقیر و توہین کر چکے ہیں۔ نہ معلوم کن کن اور کس کس پایہ کے زبان آور دُ کا ناطقہ اُس کے پُر نخوت جاہلانہ دربار میں بند ہو چکا ہے۔ اُسے نہ مقتدایان ملت کا پاس و لحاظ ہے نہ اپنے بزرگوں اور بڑوں کا۔ مگر گذشتہ دربار اجنہ کی کارروائیوں نے ایسا ذلیل کر دیا ہے۔ اور اب اُس کے دل پر ایسا خوف طاری ہے کہ بے اختیار ملا صاحب کے قدموں پر گر پڑا اور اب تک پڑا ہوا ہے۔ سر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی۔ مگر ولایتی ملا بھی کچھ ایسا برہم مزاج شخص واقع ہوا تھا کہ بجائے اس کے کہ نواب کی اس فروتنی پر اسے ترس آئے زور سے ایک لات ماری۔ اور کہا عورتیں تو جاہل اور دل کی کچی ہوتی ہیں۔

تو مردہو کے میرے سامنے سجدہ کرتا ہے، جا۔ دور ہو یہاں سے! ایسے بدتمیزوں سے میں نہیں ملتا۔

نواب کو لات کھانے پر بھی سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی اسی طرح زمین پر پڑے رہے۔
مگر بندی نے ہاتھ جوڑ کے کہا "حضور خفا نہ ہوں، اور معاف فرمائیں انھیں خبر نہ تھی کہ حضور قدم بوسی کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔"

ملّا: (نہایت برافروختگی سے) "یہ قدم بوسی نہیں سجدہ ہے۔ میں نے مانا کہ یہ جانتا تھا میں ایسی پرستش اور مشرکانہ حرکت سے خوش ہوتا ہوں مگر آخر یہ مسلمان ہے یا نہیں؟"

سعادت: (ادب سے) "مسلمان کیوں نہ ہوتے؟"

ملّا: "تو کیا اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ایسی حرکت سے یہ بے ایمان اور کافر ہو جائے گا؟"

سعادت: "خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب حضور قصور معاف فرمائیں، اور اپنا وعدہ پورا کریں۔"

ملّا: "میں نہ کسی بات کا دعوی کر سکتا ہوں اور نہ کسی چیز کا اقرار۔ ہاں دعا کروں گا مگر تمھارا مطلب تو معلوم ہو۔"

سعادت: "ہم دونوں نے انھیں حضور سے لا کے ملا دیا۔ اب ہم یہاں سے ہٹے جاتے ہیں انھیں جو کچھ عرض کرنا ہے اکیلے میں عرض کریں گے۔" یہ کہہ کے اُس نے نواب صاحب سے کہا۔
"حضور ہم جاتے ہیں۔ اور یہاں حضور کے پاس ہی رہیں گے۔ حضور اٹھ کے ملّا صاحب کی خدمت میں اپنی مراد عرض کریں اور جب ضرورت ہو ہمیں پکار لیں۔" یہ کہتے ہی دونوں عورتیں ہٹ کے آڑ میں اور اتنی دور پر جا کے ٹھہریں کہ نواب اور ملا صاحب کی باتوں کو نہ سُن سکیں۔

چھٹا باب

اظہارِ حال

جس وقت سعادت اور بندی واپس چلی ہیں، نواب کا دل اور زور سے دھڑکنے لگا۔

ارادہ کیا کہ اُنھیں پکار کے روکیں۔ مگر جرأت نہ ہوئی۔ اسی طرح زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ اور اٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کے ملا صاحب نے اُسی کرخت آواز میں مگر ذرا نرمی اور تسلّی دینے کے لہجہ میں کہا "خیر۔ اب اٹھو اور بتاؤ کہ کس لئے آئے ہو؟ آخر کب تک پڑے رہو گے؟"

نواب: "میں نہایت خوف زدہ ہوں اور حضور کی طرف نظر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی۔"

ملاّ: "کوئی ڈرنے کی بات نہیں اور نہ میری صورت ایسی ڈراؤنی ہے کہ انسان کے حواس جاتے رہیں"

نواب: (اٹھ کے اور دو زانو بیٹھ کے مگر نیچی نظر کئے ہوئے) "لیکن میرا تو یہی حال ہے۔"

ملاّ: "اگر آدمی غور کرے تو دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے کوئی ڈرے اور نہ اصل میں کوئی کسی سے ڈرتا ہے۔ جتنا خوف اور دھڑکا ہوتا ہے سب اپنے اعمال اور اپنے گناہوں کا ہوتا ہے۔ گناہوں اور بد افعالیوں ہی کا بار ہے جو آدمی پر ذلالت اور خوف کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے"

نواب: (محض تقلیداً) "بجا ہے۔"

ملاّ: (برہم ہو کے) "اس "بجا" سے مجھے نفرت ہے۔ نہ میں حرام پور کا نواب ہوں جس کی نسبت دنیا بھر میں مشہور ہے کہ اول درجے کا بدمعاش و بدکار ہے اور نہ تم میرے مصاحب ہو کہ بے سوچے اور بغیر دل سے قائل ہوئے "بجا" کہہ دیا کرو۔ سنو! انسان صرف ایک وجہ سے ڈرتا ہے۔ وہ فقط اپنی حرکات اور اپنی بدکاریوں کے انجام کو یاد کر کے ڈرتا اور ہر اپنے پرائے سے بدگمان ہو کے اُس سے خوف کھاتا ہے اور ہر وقت اندیشہ لگا رہتا ہے کہ یہ مجھے بدنام نہ کر دے میرے ساتھ دشمنی نہ کرے۔ میرے دشمنوں کا دوست نہ ہو جائے۔ ہوتے ہوتے وہ اپنے گرد و پیش کے لوگوں۔ عزیزوں۔ قریبوں۔ بی بی بچوں یہاں تک کہ اپنے سائے تک سے بھڑکنے لگتا ہے۔ اور چند روز میں یہ حالت ہو جاتی ہے کہ جدھر نظر اٹھا کے دیکھتا ہے مہیب شکلیں نظر آتی ہیں۔ اور زندگی عذاب ہو جاتی ہے۔"

ان باتوں نے نواب کے دل پر بڑا اثر کیا۔ دل میں کہا "یہی حالت آج کل میری ہو رہی ہے۔ اپنے پرائے کو خوف کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔ ہر شخص سے بدگمان ہوں۔ جن امور کو میں مخفی اور پوشیدہ خیال کرتا تھا بالکل طشت از بام ہو گئے۔ ہر مصاحب پر گمان ہوتا ہے کہ اسی نے راز افشا کر دیا ہوگا۔ میری یہ حالت دیکھ کے مصاحبوں نے سازشیں کرنا شروع کر دیں۔ ان کی پارٹیاں بن گئیں۔ اور ہر پارٹی دوسرے کو ملزم ٹھہراتی ہے۔ اور میں دونوں سے ڈرتا ہوں۔"

نواب انھیں خیالات میں تھے کہ ملا صاحب نے کہا "مجھے تمھارے ساتھ اوقات ضائع کرنے کی زیادہ فرصت نہیں ہے جو کچھ کہنا ہو جلدی کہو۔"

یہ آواز سنتے ہی نواب اس طرح چونک پڑے جیسے کہ کوئی خواب میں ڈر جاتا ہے گھبراہٹ کے ساتھ اپنے آپ کو سنبھالا اور کہا "میں نے سنا ہے جناب کو اجنہ کے عالم میں حکومت حاصل ہے اور میں جنوں کا ستایا ہوا ہوں۔ ایک زمانے میں میں جنوں کے وجود کا قائل ہی نہ تھا۔ لیکن اب یہ حال ہے کہ مجھے ہر طرف جن ہی جن دکھائی دیتے ہیں۔ اور ہر وقت بے قرار روح پر ایک ہیبت طاری رہتی ہے۔"

ملاؔ: "جنوں نے تمھیں کیا ستایا؟ جنوں کا قاعدہ ہے کہ اُن میں جو اچھے نیک اور ایمان دار ہیں وہ کبھی کسی انسان کو نہیں پریشان کرتے۔ اور اسی وجہ سے اُن پر کسی کا کچھ زور نہیں چل سکتا۔ ہاں اشرار اجنہ البتہ کبھی کبھی لوگوں کو ستانے لگتے ہیں اور ان کو ہر طرح کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ تم اپنے واقعات بیان کرو تو معلوم ہو کہ تم کو کس قسم کے جنوں سے سابقہ پڑا ہے۔ تمھیں وہ کیوں اور کس غرض سے ستاتے ہیں؟"

نوابؔ: (ہاتھ جوڑ کے) "آپ فرماتے ہیں کہ انسانوں کو بُرے جن ہی ستاتے ہیں۔"

ملاؔ: "جنوں ہی پر موقوف نہیں انسانوں میں بھی یہی قاعدہ ہے کہ بُرے ہی دوسروں کو ستایا کرتے ہیں۔ اچھے آدمیوں سے کبھی کسی کو آزار نہیں پہونچتا۔"

نواب: "بیشک! اسی سے میرا خیال ہے کہ جن جنوں نے مجھے ستایا ہے وہ برے جن ہوں گے۔"
ملا: "حالات سنوں تو بتاؤں کہ وہ کیسے ہیں اور کون سے جن تھے۔"

ملا صاحب کو مشتاق پا کے نواب نے تفصیل کے ساتھ اپنے واقعات بیان کرنا شروع کئے۔ لکھنو میں ایک مخفی گھر میں جا کے عجیب وغریب طریقے اور نہایت خوفزدگی کے ساتھ گرفتار ہونا۔ پھر ایک عجیب عدالت میں پہونچنا جس کے اجلاس رات کو ہوا کرتے تھے۔ جنوں کے ایک شاہزادہ کا مدعی ہونا۔ فرشتہ صورت قاضیوں کا مقدمہ کی سماعت کرنا۔ اور نواب کے دوستوں اور جانے بوجھے لوگوں میں سے صدہا زن و مرد کا آکے اُن کے خلاف گواہی دینا اُن کے ساتھ اور بہتوں کا مجرم قرار پانا۔ پھر عدالت کے فیصلے سے تمام مجرموں کا فنا کر دیا جانا اور اپنا ہمیشہ کے لئے مردود وملعون قرار پا کے اور مردانگی کی قوت سے محروم ہو کے چھوڑ دیا جانا غرض سارا قصہ اول سے آخر تک کہہ سنایا۔

ملا: "اور تم پر کیا الزام لگایا گیا؟"
نواب: "یہ کہ حلال نگر میں ایک زمانے تک جو دلہنیں شادی کے دن غائب ہوتی رہی تھیں۔ وہ میری سازش اور خواہش سے غائب ہوئی۔ اور شہزادی نام حلال نگر کی ایک بازاری عورت نے میرے کہنے سے یہ ظاہر کیا کہ جنوں کا شہزادۂ عباس اس کے سر پر آیا اور قبول کر گیا کہ ان دلہنوں کو وہی اٹھا لے جاتا ہے۔"
ملا: "اور یہ سب واقعات صحیح تھے؟"
نواب: (ندامت سے آنکھیں نیچی کر کے) "صحیح ضرور تھے۔"

یہ بیان سُن کے ملا مراد کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ ریش مقدس کی نورانیت سے شعلے نکلنے لگے اور مشتعل آنکھیں آتشبازی کرنے لگیں۔ مگر برافروختہ چہرے کو متین وسنجیدہ بنا کے بولے۔

"میں نے کہا تھا کہ اچھے اور ایمان دار جن انسانوں کو نہیں ستاتے جس طرح اچھے مردم آزاری نہیں کرتے مگر بدکاروں کو سزا دینا جس طرح اچھے انسانوں کا فرض ہے ویسے ہی اچھے جنوں پر فرض ہے۔ ان واقعات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اچھے اور نیک جنوں کا ہے جن پر کسی کا کچھ زور نہیں چل سکتا۔ مگر خیر بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

نواب: (ہاتھ جوڑ کے) "صرف دو باتیں۔ یہ کہ اُن جنوں سے بدلہ لوں جنھوں نے مجھے ستایا۔ اور دوسرے یہ کہ میری گمشدہ قوت پھر عود کر آئے۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ اگر جناب نے توجہ فرمائی تو میری دونوں تمنائیں بر آئیں گی۔"

ملّا: (زیر لب مسکرا کے) "بس اسی قدر، یا کچھ اور بھی چاہتے ہو؟"

نواب: (ذرا خوش اور مطمئن ہو کے) "یہ بھی آرزو تھی کہ میرے اُن تمام نمک حرام مصاحبوں اور ملازموں کا پتہ چل جاتا جنھوں نے میرے خلاف شہادتیں دے کے مجھے مجرم ثابت کیا ہے یا کم از کم یہی معلوم ہو جاتا کہ اُن سب کا کیا حشر ہوا؟"

ملّا: "غرض تمھاری تمنا یہ ہے کہ تم میں پھر ویسی ہی قوت پیدا ہو جائے تاکہ پہلے کی طرح پھر شریف اور بے کس لڑکیوں کا شکار کھیلا کرو۔ وہ جن فنا کر دیے جائیں جنھوں نے تم کو سزا دی تھی۔ تاکہ پھر کوئی تمھارا ہاتھ نہ پکڑ سکے۔ اور جن لوگوں نے تمھارے خلاف گواہی دی تھی تمھارے قبضہ میں ہو جائیں تاکہ انھیں سزا دو۔"

نواب: "جی ہاں یہی چاہتا ہوں اور یہی میری تمنائیں ہیں لیکن ان میں سے جو پوری ہو جائیں۔" مگر دل پر ندامت اور کمزوری کا کچھ ایسا بار پڑ رہا تھا کہ یہ کہتے وقت نواب کی آنکھیں ندامت سے نیچی ہو گئیں۔

ملّا مراد نے ان باتوں کو محسوس کر لیا۔ اور کینہ آلود مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تم مجھ سے چارۂ کار چاہتے ہو۔ اور مجھ سے جہاں تک بنے گا تمھاری مدد کروں گا۔ ان جنوں کو بلواؤں گا جنھوں نے تمھارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ اور ان کا بیان سننے کے بعد کہہ سکوں گا کہ تمھارے معاملہ میں کہاں تک کامیابی ہو سکتی ہے۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ اپنی جسمانی کمزوری کے دفع کرنے کے لئے بعض طبیبوں کے پاس نہایت ہی مجرب نسخے ہیں"۔

نواب: "اُن سے میرا علاج نہ ہو سکے گا۔ اور سچ یہ ہے کہ مجھے ان حکیموں کا اعتبار بھی نہیں ہے"۔

ملا: "کیوں؟ میرے نزدیک تو ہندوستان میں بڑے بڑے حاذق طبیب پڑے ہوئے ہیں"۔

نواب: "ایک حاذق حکیم صاحب کو میں نے اسی خیال سے بلا کے اپنے پاس نوکر رکھا۔ ان کا بہت کچھ پاس و لحاظ کرتا تھا۔ ہزاروں روپیہ ...."

ملا: "جنوں کے ہاتھ سے ستائے جانے کے بعد؟"

نواب: "جی نہیں۔ اس سے بہت پہلے۔ بے اعتدالیوں اور بدپرہیزیوں کی وجہ سے مجھے یہ شکایت بمصداق ع اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے، آغاز شباب ہی میں پیدا ہو گئی تھی۔ اس شکایت کے رفع کرنے کے لئے میں نے اُن حکیم صاحب کو اُن کے بڑے بڑے نخرے اٹھا کے بلایا۔ انھوں نے کھانے اور لگانے کی چند مجرب دوائیں تجویز کیں۔ اور فرمایا چالیس دن کے بعد سخت پرہیز اور ناقابل برداشت رکاوٹوں کے بعد میں پہلے پہل کسی نہایت ہی کالی کلوٹی دوشیزہ لڑکی کو اپنی خلوت میں بلاؤں۔ یوں میری پری جمال و حسین معشوقاؤں سے الگ کر کے انھوں نے یہ حرکت کی کہ علاج ہی کے بہانے میری گل اندام بی بیوں سے تعلقات پیدا کر لئے۔ یہ جو میں نے سُنا تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔ مگر اثنائے علاج میں بگاڑتے نہ بنتی تھی۔ بڑی مشکلوں سے میں نے ضبط کیا۔ اور جب چلا پورا ہو لیا اور ایک نہایت ہی بدصورت سیہ فام کہاری میرے محل میں داخل ہو چکی تو میں نے اپنی بے عزتی کے چھپانے کیلئے

اُن حکیم صاحب پر جواہرات چرانے کا بے بنیاد الزام قائم کر کے چاہا کہ انھیں گرفتار کرلوں اور جی کھول کے بدلہ لوں مگر وہ میرے تیور پہچان گئے۔ اور قبل اس کے کہ میرا ہاتھ اُن تک پہونچے بھاگ کھڑے ہوئے ؟

ملاؔ: مگر تمھیں اس علاج سے فائدہ بھی ہوا؟"

نوابؔ: "جی فائدہ تو کیا دو تین مہینے فائدے کا دھوکا رہا۔ مگر بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایک بار چند روز کے لئے میں شکار کو گیا۔ میری خاص محل جن کے مہر میں آدھی ریاست کے قریب لکھی ہوئی ہے۔ اور جن سے قانونی چارہ جوئی کے اندیشے سے میں ہمیشہ ڈرتا رہتا ہوں ساتھ نکلیں اور وہ حکیم صاحب کی یادگار کوا پری بھی ہمراہ تھی۔ جس نے اپنی اطاعت اور دلداریوں سے مجھے اپنا گردیدہ بنالیا تھا جنگل میں پڑاؤ تھا۔ اور میں شکار کو گیا ہوا تھا۔ خاص محل صاحبہ کیمپ کے اندر سیر کو نکلیں۔ اور اُس خیمے کے پاس پہونچیں جس میں میری شب رنگ محبوبہ تھی۔ اُس نے میری معشوقہ ہونے کے غرور میں اُنھیں سلام نہیں کیا اور انھوں نے ہنٹر لے کے اُسے اتنا مارا کہ کھال گرادی۔ میں جب واپس آیا تو میری مظلوم کالی عذار حسینہ پھوٹ پھوٹ کے روئی اپنے پنڈے کی بدتیں دکھائیں۔ مجھے اس کی حالت دیکھ کے بہت غصہ آیا۔ اور آمادہ ہو گیا کہ اسی وقت جاکے اسی طرح ہنٹر سے خاص محل کو پیٹوں۔ لیکن مصاحبوں نے روکا اور اس بے اعتدالی کے نشیب و فراز سوجھائے خیر میں تو اس وقت خاموش ہو رہا۔ مگر اس وقت سے بی بی صاحبہ ایسی بگڑی ہوئی ہیں کہ ہر وقت اپنے میکے جانے کو تیار رہتی ہیں۔ اور میں کبھی خوشامد سے اور کبھی جبر و تشدد سے انھیں روکتا رہتا ہوں۔ کہیں وہ اپنے مکان چلی جائیں اور اپنے بھائیوں کو مخالفت پر آمادہ کردیں تو میری زندگی عذاب ہو جائے۔ اس ڈر کے مارے نہ ان سے کسی کو ملنے دیتا ہوں۔ اور نہ کہیں انھیں جانے دیتا ہوں۔ مگر ان کی برہمی سے ہر وقت ایک ہنگامہ بپا رہتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ میں جیتے جی عذاب میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ اور یہ سب ان حکیم صاحب کی عنایت ہے۔"
ملاّ: اس میں حکیم صاحب کا کیا قصور؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ تم اپنے ہی اعمال کا خمیازہ بھگت رہے ہو اس کالی عورت ہی پر کیا موقوف ہے؟ اور سینکڑوں ہزاروں لڑکیوں کو بھی بلا بلا کے تم بے آبرو کیا کرتے ہو۔ اس سے تمہاری خاص محل خوش ہیں؟"
نواب: مگر ان حکیم صاحب نے میری خاص معشوقاؤں سے جو تعلقات پیدا کئے یہ ان کے لئے جائز تھا؟
ملاّ: جن لوگوں کی حرکتیں تمہاری سی ہوتی ہیں اُن کا عام قاعدہ ہے کہ اپنی بدکاری اور اخلاقی جسمانی کمزوری کے باعث ہر ایک سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ اپنے سائے تک سے ڈرتے ہیں۔ دل میں یہ چور رہتا ہے کہ جن پری جمال گل بدنوں کو میں نے قید کر رکھا ہے اُن کی خواہشات مجھ سے کسی طرح نہیں پوری ہو سکتیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنی محبت کی ہوس کو دوسروں سے پورا کر لیا کریں۔ یہ خیال اُسے ہر اس شخص سے جو اُس کی صحبت میں رہے یا اس کے محل کے پاس آتا جاتا ہو۔ بدگمان کر دیا کرتا ہے۔ ان حکیم صاحب نے ہرگز کوئی ایسی بیہودہ حرکت نہ کی ہوگی۔ یہ صرف تمہاری بدگمانی ہے۔"
نواب: مگر مجھے تو اُن شرارتوں کا یقین کامل ہے۔"
ملاّ: تم کیا۔ اور تمہارا یقین کیا؟ اچھا دیکھو میں ایسی تدبیر کرتا ہوں کہ کسی امر میں شک ہی نہ باقی رہے۔"

ساتواں باب

خضرائیل

اب نواب دل ہی دل میں خائف اور بدحواس تھے۔ تمام سیہ کاریاں اور ساری ظالمانہ

بدمعاشیاں نظر کے سامنے آکے فاش ہو جانے کا خوف دلا رہی تھیں کہ اتنے میں ملا صاحب نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں پھر کچھ غیر مفہوم الفاظ زبان سے نکالے۔ اور ہاتھوں کو پھیلا کے چاروں طرف گھمایا۔ ساتھ ہی چاروں طرف کے درخت ہلنے اور اُن کے پتے زور زور سے کھڑکھڑانے لگے۔ ایک آناً فاناً میں معلوم ہوا کہ سخت زلزلہ آگیا ہے۔ اور یکایک ایک نہایت ہی سن رسیدہ لمبی ڈاڑھی اور نورانی چہرے والے بزرگ سر پر سفید عمامہ باندھے اور اجلی براق عبا پہنے آکے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اور نہایت ہی متانت کے ساتھ ملا صاحب سے پوچھا "آپ نے مجھے کیوں یاد کیا ہے۔؟"

ملا: یا حضرت خضر آیل! یہ شخص جو سامنے بیٹھا ہے اس کے واقعات میں بہت سے ایسے راز سربستہ ہیں جو بغیر آپ کی مدد کے حل نہیں ہو سکتے۔ خدا نے آپ کو غیب کی باتوں کا علم دیا ہے۔ لہٰذا اس کی مشکلیں آپ ہی سے حل ہو سکیں گی۔ آیئے اور میرے برابر بیٹھ جایئے۔"

ان بزرگ کو دیکھ کے نواب دل میں کانپ گئے۔ اس لئے کہ جن... بزرگ اجنہ نے ان کا فیصلہ کیا تھا اُن میں سے ایک کی صورت ان سے بہت ملتی تھی۔ اور نواب کو بالکل یقین تھا کہ یہ وہی ہیں۔ ڈر ڈر کے اور سہم سہم کے اُن کی صورت دیکھ رہے تھے کہ انھوں نے قدم آگے بڑھایا۔ اور نواب کے گھبراتے ہوئے چہرے کو دیکھ کے مسکراتے ہوئے ملا مراد کے برابر بیٹھ گئے۔

نواب: (نہایت دہشت سے) "حضور اجازت دیں تو وہ دونوں عورتیں بھی اب یہاں چلی آئیں۔ الگ کونے میں خاموش بیٹھی رہیں گی۔"

ملا: (درشتی کے ساتھ) "عورتیں ایسی صحبت میں نہیں شریک ہو سکتیں۔" یہ کہہ کے انھوں نے تازہ وارد مقدس بزرگ کی طرف رُخ کر کے کہا:

"یا خضرائیل! یہ شخص نہایت ہی بدکار اور زانی ہے۔ شہوت پرستی کے جوش میں بڑے بڑے مظالم کرچکا ہے۔ جس کا قدرتی بدلا یہ ملا کہ اس میں جسمانی کمزوریاں پیدا ہوئیں۔ اور علاج کے لئے ایک حکیم صاحب دور سے بلائے گئے۔ حکیم صاحب نے علاج کیا اور پرہیز یہ بتایا کہ یہ کسی عورت کے پاس نہ جائے۔ اور مدت علاج ختم ہونے کے بعد کسی سیاہ فام دوشیزہ کو بی بی بنا کے اپنے محل میں رکھے ان باتوں سے اُس کے دل میں یہ بدگمانی ہوئی کہ حکیم صاحب نے میری پری جمال گل فام مہ جبینوں کو مجھ سے چھڑا کے اپنا دوست بنالیا ہے اور اُن سے ناجائز تعلقات پیدا کرلئے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ ایک مہذب اور حاذق طبیب سے ایسے افعال سرزد نہیں ہوسکتے۔ اور اس کی بدگمانی صرف اپنی ذاتی کمزوری کی وجہ سے ہے مگر یہ نہیں مانتا۔ اب آپ فرمائیں کہ اس کی بدگمانی صحیح ہے یا میرا خیال؟"

خضرائیلؑ: (نواب سے) "تمھیں اپنے اس گمان کا کوئی ثبوت بھی ملا تھا؟"

نواب: "کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ اس نے مجھے اپنی بیبیوں اور حرم سرا میں جانے سے روک دیا۔"

خضرائیلؑ: (ملا صاحب سے) "آپ نے اس کی دلیل سُن ہی لی اسی سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ کیسا احمق ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس کی زندگی ہی شبہات واوہام کا مجموعہ ہے۔"

ملا: "آپ مہربانی کرکے اپنی روحانی قوت اور غیب دانی کے کمال سے مدد لے کے مجھے اس کی بدگمانیوں کے چند اور واقعات سنائیں تاکہ میں اندازہ کرسکوں کہ یہ شخص کیسا ہے اور اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے؟"

ملا صاحب کی خواہش کے مطابق فرشتہ صورت خضرائیلؑ تھوڑی دیر تک عالم مراقبہ میں رہے

اور یک بیک گھبرا کے اس طرح چونکے جس طرح کوئی شدید اُمس سے پریشان ہو کے بدحواس ہو جاتا ہے۔ اور کہا "ملّامراد! آپ نے کسے اپنے پاس ٹھہار کھا ہے؟ جس سے زیادہ ناپاک و ننگ عالم شخص دُنیا میں نہیں ہے۔ اس کی بدطینیوں نے دنیا میں جیسے جیسے ظلم کئے ہیں کبھی کسی کے ہاتھ سے نہ ہوئے ہوں گے اس نے اپنے شفیق استاد اپنے بہادر دوست اپنے بیدار مغز مشیر کا کو محض اس بات پر ناراض ہو کے کہ وہ اُسے شرارتوں سے روکتا تھا سازش کر کے نہایت بزدلی سے قتل کر ڈالا اگرچہ اُس جرم کی سزا میں کئی آدمیوں کی جانیں گئیں۔ مگر یہ جو سب سے بڑا واجب القتل مجرم تھا مردم آزاری کے لئے بچ رہا ہے۔ اگرچہ اس کی شرکت کے راز کا مخفی رہ جانا سچ یہ ہے کہ گستاخ دوستوں کی ایک کرامت تھی۔ مگر بدگمانی اور ظالمانہ سنگدلی کے ساتھ فطرۃً یہ اس قدر بزدل اور حقیر واقع ہوا ہے کہ جن لوگوں کو اس کا حال معلوم ہے اُن کے نام سے اس کا دم ہی نکلتا ہے۔ اوروں کے لئے یہ شیر یا بھیڑیا ہے مگر وہ ہزار گستاخ ہوں اسے گالیاں دیں اس کو ذلیل کریں۔ اس کے منہ پر تھوکیں۔ جو چاہیں کریں اُن کے سامنے یہ دم نہیں مارتا۔"

یہ حالات سُن کے ملّامراد نے نواب کو کڑوے تیوروں سے اور ایک نگاہ قہر ڈال کے پوچھا "یہ سچ ہے؟" نواب کی زبان سے "ہاں" تو نکلی مگر ندامت سے آنکھیں جھک گئیں۔ اس اقراری سکوت پر ملّامراد نے محترم شیخ خضر ائیل کی طرف ایک ایسی نگاہ سے دیکھا جو کہہ رہی تھی کہ کچھ اور حالات معلوم ہوں تو وہ بھی ارشاد ہوں۔

خضرائیل: اس کے عبرتناک واقعات کہاں تک سناؤں؛ اس کی زندگی کا ہر واقعہ اسی شان کا ہے۔ مگر شوق ہے تو سنئے۔ چند روز ہوئے اس نے لڑکیوں کا ایک مدرسہ کھولا تھا جس کے ظاہر کرنے میں بظاہر تو تعلیم نسواں کی طرفداری مقصود تھی مگر اصلی مقصد یہ تھا کہ شریفوں کی خوبصورت لڑکیاں تعلیم کے بہانے اسکول میں بلائی جائیں۔ جہاں

کسی نہ کسی عنوان سے اُن کو دیکھے اور جن جن کو پسند کرے اپنی ہوس رانی کے لئے منتخب کرے۔ پھر اس کے شوق اور مذاق کے موافق وہ تیار کی جائیں۔ انھیں صاد کی ہوئی لڑکیوں میں سے ایک کی نظر اس کے ایک نوجوان مصاحب سے لڑ گئی۔ اور دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ ہوگئے اس معصوم و بے زبان لڑکی کو مطلقاً خبر نہ تھی کہ میں اس ظالم کی منظور نظر ہو چکی ہوں اور نہ وہ نوجوان اس سے آگاہ تھا۔ نوجوان نے پیام دے کر لڑکی کے باپ کو راضی کیا۔ اور نہایت خاموشی کے ساتھ نکاح ہوگیا۔ جب وہ لڑکی اپنے عاشق شوہر کے آغوش شوق میں پہونچ گئی تو اس بے حیا ظالم کو خبر ہوئی۔ اور یہ طیش میں آکے انتقام لینے کے درپے ہوگیا۔ فوراً لڑکی کے باپ کو بلوایا گیا۔ اُس کو طرح طرح کے لالچ دلائے گئے۔ اور بہت کچھ دے دلا کے وہ اس بات پر آمادہ بلکہ مجبور کیا گیا کہ داماد پر لڑکی کے بھگالے جانے کا دعویٰ کرے۔ اس مضمون کی درخواست اس سے زبردستی لی گئی۔ بغیر اس کے کہ عدالت کی طرف باضابطہ رجوع کیا جاوے محل کے اندر ہی اندر خاموشی کے ساتھ مقدمہ بنایا گیا۔ اور وہیں سے وارنٹ جاری کر کے دونوں مظلوم دولھا دلھن پکڑ لائے گئے۔ معصوم لڑکی نے اس کا سامنا ہوتے ہی کمال بیباکی سے اسے گالیاں دینا شروع کیں۔ اور بغیر اس کے کہ کسی کو جواب دہی کا موقع دیا جائے دونوں حوالات میں بند کر دیئے گئے اور اُس شریف نوجوان پر طرح طرح کے جور و تشدد ہونے لگے۔

نوجوان چوں کہ معزز شایستہ اور شریف تھا اس لئے بڑے بڑے بیرسٹروں نے اس کی ریاست میں حاضر ہو کے اُس کے بری کرانے کی کوششیں کیں۔ ثابت کر دیا کہ ساری کارروائی غلط اور ظالمانہ ہے مگر کون سنتا ہے؟ غریب کو سخت سزا دے ہی دی گئی۔ اور مدت تک اسیر ستم رہنے کے بعد اُسے ایک محترم و مقدس مولوی صاحب کی سفارش اور بار بار یاد دلانے سے نجات ملی۔ اس نوجوان کے اسیر ہوتے ہی وہ لڑکی اس کے محل میں لائی گئی۔ مگر اس نے اس کی

صورت دیکھتے ہی کوسنا شروع کیا۔ اور اپنے طرزِ عمل سے ظاہر کر دیا کہ مر جائے گی مگر بے حرمتی نہ گوارہ کرے گی۔ مجبوراً پھر اسکول میں داخل کر دی گئی جہاں مختلف طریقوں سے اُس پر اثر ڈالا جاتا۔ بار بار محل میں بلوائی جاتی۔ اور ہر مرتبہ اس بے حیا نواب کو گالیاں دے کے واپس جاتی۔ آخر ایک بار اُس نے آپے سے باہر ہو کے بلکہ جان پر کھیل کے اُس کے منہ پر تھوک دیا۔ جس پر اس نے ارادہ کیا کہ پکڑ کے قتل کر ڈالے۔ مگر ایک عاقبت اندیش خیر خواہ نے روکا۔ اور پھر اُسے اسکول بھجوا دیا۔ جس کے بعد کبھی اُسے اُس کے بلانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اب یہ حالت تھی کہ ادھر اس لڑکی کے سبق میں اسکول قید خانہ بنا ہوا تھا۔ رات دن شوہر کی یاد میں سر دھنتی رہتی۔ ادھر اس نوجوان کی نظر میں دنیا اندھیر تھی معشوقہ کے فراق اور اپنی بے عزتی کے صدمے سے دل پر ہر وقت ایک کوفت رہتی۔ یہاں تک کہ اس غریب نے مسلول و مدقوق ہو کے جان دی۔ جس کے مرنے کی خبر سنتے ہی لڑکی کا حال بھی ابتر ہونے لگا۔ تب اس نے ایک مجہول الحال شخص کے ساتھ اس کا نکاح کرا دیا۔ جہاں وہ عصمت و شرافت سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ مگر اس مرحوم اور عاشق شوہر کی یاد میں ہمیشہ خون کے آنسو بہاتی اور شب و روز اس ظالم کی جان کو رویا کرتی ہے۔ ایسے مظالم چھپ نہیں سکتے؛ مگر یہ اپنی حماقت سے جانتا ہے کہ ان سے کوئی واقف نہیں۔ لیکن اس خاموش مظلوم کی نامرادی اور اس عفیفہ کی حسرتوں کا خون اس کی حسرتوں کو الم نشرح کرتا رہے گا۔ اور بمصداق ع "تو بھی ٹھنڈا نہ رہے دل کے جلانے والے" اسے کبھی اطمینان سے نہ بیٹھنے دے گا۔ اور سچ یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اُسی کا خمیازہ ہے"۔

ملا: "افسوس! یہ ایسا ننگ خلائق ظالم ہے؟"

خضر اِئیل: "بڑا بے باک ظالم جسے اپنے جور و ستم کے جوش اور اپنے بدمعاشی کے جذبات میں نہ دین کا خیال رہتا ہے نہ دنیا کا"۔

ملاؔ: یہ کہتا ہے کہ جنوں کی ایک عدالت میں، سے سزادی گئی اور اشرار جنوں نے اس پر بڑا ظلم کیا۔"
یہ سنتے ہی خضرائیل نے ایک تبسم آمیز تحقیر کے ساتھ نواب پر ایک نظر ڈالی۔ پھر کہا: "میری صورت دیکھ کے یہ اُن جنوں کو جنھوں نے اسے سزادی ہے اشرار نہ کہے گا۔ وہ جن شریر نہیں بلکہ بڑے دیندار پرہیز گار اور پاک سیرت جن تھے۔ جنھوں نے اس کی سالہا سال کی بدمعاشیوں کو عالم آشکارا کرا کے صدہا مظلوم لڑکیوں کو اس کے پنجۂ ستم سے نجات دلائی اور اس کے ساتھ اس کے بدمعاش رفیقوں کو بھی سزادی ہے۔"

ملاؔ: "آپ کو معلوم ہے کہ انھوں نے اُسے کیا سزادی ہے؟"

خضرائیل: "صرف یہ کہ جب تک یہ زندہ رہے اس پر ہر طرف سے لعنت برستی رہے۔"

ملاؔ: "مگر یہ تو کہتا ہے کہ اس کے قوائے شہوانیہ بھی سلب کر دیئے گئے۔"

خضرائیل: "خلقت کو اس کے دست ستم سے بچانے کی اس کے سوا اور کون تدبیر تھی؟ یہ اسے جو چاہے سمجھے مگر حقیقت میں یہ سزا نہ تھی بلکہ دوسروں کو اُس کے شر سے بچانے کی ایک ضروری تدبیر تھی۔"

ملاؔ: "اور آپ جانتے ہیں یہ میرے پاس کیوں آیا ہے؟ اس لئے کہ اس کی وہ گم شدہ قوت پھر اس میں پیدا ہو جائے۔ آپ کے نزدیک کسی تدبیر سے اس کی یہ آرزو پوری ہو سکتی ہے؟"

خضرائیل: "لیکن ان محترم قاضیوں نے اس کی نسبت یہ فیصلہ کرتے وقت یہ الفاظ کہے تھے کہ چاہے دنیا بھر کے اطبا اور ڈاکٹروں کو جمع کرے وہ قوت جو اس سے سلب کر دی گئی ہے پھر اسے نہ نصیب ہوگی۔ یہ سُن کے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کسی تدبیر سے اسے نفع ہو سکتا ہے یا نہیں۔"

ملاؔ: "بڑا سخت اور نہایت قطعی حکم ہے۔ ان بزرگوں کے حکم کو بھلا کون توڑ سکتا ہے

لیکن آپکو خوب یاد ہوگا انھوں نے صرف اطبا، اور ڈاکٹروں کا نام لیا تھا؟ عالموں ملاؤں اور ولیوں کا نام تو نہیں لیا؟

خضرائیل: "نہیں فقط طبیبوں اور ڈاکٹروں کا نام۔ مگر کیا آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ان بزرگان جن پر کسی ملا یا عامل کا زور چل سکے گا؟"

ملا: "بیشک یہ مشکل ہے۔ مگر اس معاملہ میں شاید مجھے آپ سے مدد مل سکے"

خضرائیل: "میں بغیر ان سے مشورہ کئے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر آپ بھی اس پر خوب غور کرلیں کہ یہ ایسی عنایت و سفارش کے قابل بھی ہے۔ ورنہ میں اب جاتا ہوں صرف آپ کی وجہ سے اتنی دیر یہاں ٹھہرا بھی رہا۔ ورنہ میں ایک گھڑی کو بھی ایسے بے حیا سفاک کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا آپ اس سے بھی حالات دریافت کریں۔ خود اس سے اس کی سرگزشت سنیں۔ اور اس کے بعد یہ رائے قائم کریں کہ یہ کسی رعایت کا مستحق ہے کہ نہیں۔ پوری پوری طرح واقفیت حاصل کرنے کے بعد آپ مجھے بُلا کے قائل کر دیں گے تو میں ان بزرگوں سے کچھ کہہ سکوں گا بغیر اُسکے اس کے حال پر رحم کرنا دنیا پر ظلم کرنا ہے" اس گفتگو کے بعد خضرائیل "السلام علیکم" کہہ کے واپس گئے۔ اور چند ہی لمحوں میں درختوں کے اندر غائب ہو گئے۔

آٹھواں باب

اقرار گناہ

خضرائیل کے چلے جانے کے بعد ملا مرآد نہایت خاموشی کے ساتھ نواب صاحب کی طرف گھورنے لگے۔ ان کی خاموش آنکھوں نے اس سنسان مقام کا سناٹا اور بڑھا دیا۔ بارہ بج گئے تھے اور چاند سمت الراس سے گزر کے مغربی قوس فلک کے آغوش میں پہنچ گیا تھا

درخت خاموش کھڑے تھے اور ہوا کے نہ ہونے سے پتہ بھی نہ کھڑکتا تھا۔ اس خاموشی میں کہیں قریب ہی سے دو ایک قہقہوں کی آوازیں سنی گئیں۔ اور ملا مرآد کی تیز نظروں نے نواب صاحب کو وہ منظر یاد دلایا جب وہ لکھنؤ میں قہر آلود آنکھوں کی کاری برچھیوں کا نشانہ بنے تھے۔ حواس جاتے رہے۔ اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

آخر اس قدر دہشت زدہ اور بدحواس ہوئے کہ بے اختیار سعادت کو پکارنا شروع کیا۔ مگر خوف کے مارے گھگھی بندھ گئی تھی۔ چلانے کی ہزار کوشش کی آواز نہ نکلی۔ اور یکایک ملا مرآد جو کسی مردم خوار درندے کی طرح اپنی دل دوز نظر جمائے ہوئے تھے جھپٹ پڑے۔ ایک خونخوار دیو کی طرح پچھاڑ کے چھاتی پر چڑھ بیٹھے۔ اور نواب نے اُس بھیڑ کی طرح جو شیر کے پنجہ میں گرفتار ہو چکی ہو زمین پر گر کے ہاتھ پاؤں ڈال دیئے۔

اس حالت میں نواب نے سہمی ہوئی نگاہوں سے ملا صاحب کی صورت دیکھی جو گویا ملک الموت کی طرح روح قبض کرنے کے لئے سینے پر سوار تھے اور کہہ رہے تھے "اپنے تمام حالات بتا! اور جو جو جرم تجھ سے سرزد ہوئے ہیں ان سب کو من وعن بیان کر ورنہ گلا گھونٹ دوں گا۔" یہ کہہ کے انھوں نے داہنا ہاتھ بڑھا کے نواب کا گلا دبانا شروع کیا۔

نواب میں جواب دینے کی تاب نہ تھی۔ زبان نے تو یاری نہ دی۔ مگر حسرت آلود آنکھوں نے اپنی زبان خاموشی سے کہہ دیا کہ "میں سب بتانے کو تیار ہوں بشرطیکہ گویائی کی طاقت ہو۔" اس مضمون کو سمجھ کے ملا نے اپنا ہاتھ گلے پر سے ہٹا لیا۔ اور اسی طرح سینے پر بیٹھے بیٹھے کہا "لے اپنے حواس درست کر۔ اور خوب سمجھ لو کہ میرا حکم بجا لانے ہی میں تمھاری زندگی ہے۔ اپنی سرگذشت بتانے میں کمی یا خلاف بیانی کی اور میں نے گلا گھونٹ دیا۔"

نواب صاحب نے چند منٹ میں اپنے حواس درست کئے۔ اور بہزار دشواری دل

مضبوط کر کے کہا: "میں سب عرض کروں گا۔ مگر حضور مجھے اتنی آزادی دیں کہ بیٹھ کے اطمینان سے عرض کروں۔ کیوں کہ اس حالت میں نہ مجھے کچھ یاد آئے گا اور نہ بیان کر سکوں گا"

ملا - (نواب کی چھاتی پر سے اٹھ کے) "بس اس سے زیادہ آزادی کی ہوس نہ کرنا نہ میری گرفت سے باہر ہو سکتے ہو اور نہ اس وقت تمہیں بیٹھنے کی اجازت دی جا سکتی ہے؟"

نواب: (کمال عاجزی سے) "تو ان دونوں عورتوں کو بلا دیجئے جو میرے ساتھ آئی ہیں"

ملا: "ہرگز نہیں بس اب جلدی اپنی سرگزشت بیان کرنا شروع کر دو اور پہلے یہی بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

نواب: "میں حرام پور کا نواب ہوں"

ملا: "حرام پور کا نواب! جس کی ظالمانہ بدکاریاں ساری دنیا میں مشہور ہو رہی ہیں۔ اور جسے ہزارہا مظلوم کوس رہے ہیں! خیر اب اپنے حالات بیان کرو"

نواب: "میں ایسا بُرا نہیں ہوں جیسا مشہور ہے لیکن اس کو کیا کروں کہ اکثر لوگ میرے دشمن ہیں جو مجھے گالیاں دیتے اور بدنام کرتے پھرتے ہیں"

ملا: "تو اپنے کارنامے بیان کرو۔ وہی بتا دیں گے کہ تمہارا قصور ہے یا تمہارے دشمنوں کا؟"

نواب: "مجھے تو اپنا کوئی ایسا فعل یاد ہی نہیں آتا جس میں میرا قصور ہو"

اس جواب پر برافروختہ ہو کے ملا مراد نے نواب کو کس کس کے کئی گھونسے اور تھپڑ رسید کئے اور کہا: "بدمعاش! اچھا میں ہی تجھے تیرے جرم سنائے دیتا ہوں۔ سُن، سارے بدمعاشوں اور بدکاروں کا قاعدہ ہے کہ اپنے محلہ یا کم از کم اپنے گھر کو چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ مگر تو نے سب سے پہلے اپنے گھر کو ناپاک کیا۔ محرمات ابدیہ یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح کرنا ہر مذہب و ملت اور ہر گروہ میں حرام و ناجائز ہے اُن پر بدکار زانی کی بھی نظر نہیں پڑتی۔ مگر تو نے ذرا بھی اس کا لحاظ نہیں کیا اور سب سے پہلے خالاؤں، چچیوں، پھوپھیوں، ممانیوں اور بہنوں بلکہ اپنی ماؤں

تک کی آبرو لینا شروع کی۔"

نواب: (بے حیائی و بے باکی کے ساتھ) "ایسے چند واقعات ضرور پیش آئے مگر میرے خاندان میں یہ نئی چیز نہ تھی۔ اور کئی پشتوں سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ اس لئے میں نے ان واقعات کو خلاف وضع نہیں خیال کیا۔"

ملّا: "خوب! تو کیا تیری خاندانی فضیلتوں میں یہ بھی ہے کہ باپ بیٹی کی آبرو لے جو مجوسیوں کے سوا آج تک کسی گروہ میں جائز نہیں سنا گیا! اس کا کیا جواب ہے کہ تو نے اپنی دو جوان بیٹیوں کو بے آبرو کیا جن میں سے ایک مارے غیرت کے زہر کھا کے مر گئی؟"

نواب: (آنکھیں نیچی کر کے) "لوگ مجھے اس کا الزام دیتے ہیں۔ اور بے شک ایسا ہی ہوا۔ لیکن دراصل اس میں میرا قصور نہ تھا۔ یہ میرا فعل عمد نہ تھا۔ اُن لڑکیوں کو میں نے محل میں بے باکی سے پھرتے دیکھا۔ اور خیال کیا کہ اُن لڑکیوں میں سے ہیں جو بلا ناغہ میرے لئے لائی جاتی ہیں۔ بعد کو حال کھلا کہ وہ میری بیٹیاں تھیں۔"

ملّا: "تو نے اپنے ہوشیار اور لائق بیٹے کو بھی زہر دے کے مروا ڈالا۔ اور پھر دنیا کو فریب دینے کے لئے اس غم میں سوگوار بنا۔ وہ ابھی بچہ تھا ذرا ذرا ہوشیار ہو چلا تھا۔ ایک دن گھر میں آیا تو ماں کو غمگین پایا۔ اس کا سبب پوچھا تو مظلوم ماں نے اپنی بے کسی اور تیرے مظالم بیان کئے۔ معصوم بچہ ماں کی مصیبت سُن کے آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور کہا "آپ صبر کیجئے میں اپنے زمانے میں ان سب ظلموں کا بدلہ لے لوں گا۔" اس کی تجھے خبر پہونچ گئی۔ اور تو نے پہلے اُس معصوم کو پہلے مار کے ادھ موا کر دیا۔ پھر اپنے ڈاکٹر سے تھوڑا تھوڑا زہر دلوا کے اس کا کام تمام کر دیا! اور یہ اتنا بڑا ظلم اُس غریب کے ساتھ اس لئے ہوا کہ وہ تیری حرکتوں کو ناپسند کرتا تھا۔ اور ہر ایک کے سامنے تیری شکایت کرتا تھا۔"

نواب : (ایک ٹھنڈی سانس لے کے) "آہ! اس راز کو تو کوئی نہ جانتا تھا آپ کو کیوں کر خبر ہو گئی؟"

ملاّ : "جن حافظ جی کے ہاتھ سے زہر دلوایا گیا وہ موجود ہیں۔ جو حکیم صاحب تیرے اس ظلم پر کانپ کے رخصت لے کے اپنے گھر چلے گئے اور نوکری سے استعفا دے دیا۔ وہ زندہ بیٹھے ہیں۔ اور تیرے نزدیک کسی کو خبر نہیں!"

نواب : (ہاتھ جوڑ کے) "میں نہایت عاجزی کے ساتھ آپ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔"

ملاّ : "معافی۔ حقوق العباد بھی بھلا معاف ہو سکتے ہیں؟"

نواب : "تو کم از کم اتنا کیجئے کہ ان باتوں کو کسی اور کے سامنے نہ بیان کیجئے؟"

ملاّ : "اخفا اور راز داری کی کوشش بعد کو کر لینا۔ پہلے اپنے جرائم کی فہرست تو سُن لے۔ ساری دنیا اپنے باپ دادا نانا اور دوسرے بزرگوں کا ادب کرتی ہے اُن کا وقار قائم رکھتی ہے۔ اور اُن کی عزت کو اپنی عزت سمجھتی ہے مگر تو نے ان کی انتہا سے زیادہ تحقیر و تذلیل کی تو اپنے جرموں کو راز خیال کرتا ہے۔ مگر تو ہی یاد کر کہ جب تو نے اپنے نانا کی لنگی اپنے مصاحبوں سے کھلوا ڈالی انھیں سارے محفل میں ننگا پھرایا۔ انھیں فحش گالیاں دیں۔ اُن کے سر پر دھولیں لگائیں۔ اس وقت کتنے آدمی تیری اس بے حیائی کا تماشا دیکھ رہے تھے؟ اُن کے اور بیبیوں کے سامنے تو بالکل برہنہ ہو کے اور برہنہ عورتوں کو گود میں لے کے کبھی حوض کے اندر اور کبھی دربار میں بیٹھتا تھا اور شرماتا نہ تھا۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر تو نے بہ بے حمیتی اور بے غیرتی اختیار کی کہ اپنے ان محترم نانا ہی کو دیوسی کی خدمت پر مقرر کیا۔ اور ان سے وہ کام لینا شروع کیا جو آج تک کسی نے اپنے بزرگوں سے نہ لیا ہو گا۔"

نواب: (اپنی نظر میں نہایت ذلیل خوار ہو کے) "آپ جو فرمائیں بجا ہے ۔ میں تو سراسر قصوروار ہوں ۔ مگر اس میں اُن کی بے حمیتی کو بھی دخل ہے ۔"

ملا: "جب حاکم بے غیرت و بے حمیت ہوتا ہے تو اس کے دوست آشنا عزیز قریب سب بےحیا ہو جاتے ہیں مگر تو تو اپنی بے غیرتیوں اور اپنے ظلم وجور کے جوش میں خدا کو بھی بھول گیا ۔"

نواب: (بات کاٹ کے) "اور چاہے جو ہو مگر اس قسم کا کوئی قصور مجھ سے کبھی نہیں ہوا ہے ۔ میں دین کا بہت ہی پابند ہوں ۔ بزرگان دین کی دل سے عزت کرتا ہوں ۔ اور جن ملاؤں یا عالموں کو میں نے ذلیل کیا وہ وہی تھے جو تقدس کا جامہ پہن کے اپنے افعال اور اپنی ناجائز ہوسوں سے لسے ناپاک کرتے تھے ۔ اور ظاہر میں مقدس مگر باطن میں بدمعاش تھے ۔"

ملا: "علمار کی تعظیم و تکریم تو درکنار تو نے تو خود خدا کے ساتھ گستاخیاں کیں ۔"

نواب: "نہیں ، خدا کی شان میں میں نے کوئی گستاخی کا کلمہ نہیں کہا ۔"

ملا: " ہاں ، خدا کی شان میں گستاخی کا کوئی کلمہ تو نہیں کہا مگر خانۂ خدا کو جہاں پایا کھود کے برابر کر دیا ۔ کیا تجھے یاد نہیں کہ سات مسجدوں کو شہید کرا کے اُن کے کھنڈروں پر تیرا یہ سنہرے کلسوں والا محل تعمیر ہوا ہے ؟ تجھے یاد نہ ہو تو میں ان مسجدوں کی فہرست بھی گنوا دوں اُنھیں میں وہ عمدہ اور عالی شان مسجد تھی جس میں تیرے دادا پانچوں وقت نماز پڑھا کرتے تھے ۔"

نواب: "ہاں ہاں مجھے یاد آگیا ۔ مگر کوئی مسلمان بھی نہ کھڑا ہوا کہ مجھے ان مسجدوں کے کھودنے سے روکتا ۔"

ملا: "تیرے مظالم کے خوف سے کس کی مجال تھی کہ دم مارتا ؟ فریاد وہاں کی جاتی ہے جہاں حاکم منصف ہو اور جہاں سماعت کی امید ہو ۔ مگر بے حمیت اور خدا ناترس مظالم جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور کوئی چوں بھی نہیں کرتا ۔"

نواب: (ہاتھ جوڑ کے) میں سراپا جرم ہوں ۔ میرا بال بال گناہوں سے گندھا ہوا ہے ۔

اور حضور کو تو خود ہی تمام حالات معلوم ہیں تو پھر ان کی فہرست گنوانے سے کیا فائدہ؟

ملا: "ابھی تو بہت سے جرموں کا بیان کرنا باقی ہے۔ جو ان سے بھی زیادہ سنگین اور سخت ہیں۔ اسی قدر نہیں مجھے بتانا ہے کہ تیرے محل کے اندر کن کن مظلوموں کی ہڈیاں دبی پڑی ہیں۔ میں ان سب ہڈیوں کو کھود کھود کے نکالوں گا اور ان کی روحیں سالہا سال کی خموشی کے بعد اب اپنی آواز بلند کریں گی اور چلا چلا کے سارے عالم سے کہیں گی کہ ان پر تیرے ہاتھ سے کیسے ستم ہوئے ہیں؟"

نواب: (کانپ کے) میں ان سب ظلموں اور جوروں کو خود ہی تسلیم کئے لیتا ہوں"

ملا: "تو نے محض شہوت پرستی کے جوش میں اتنے ظلم کئے ہیں کہ اپنے جور و ستم کی یادگاروں میں ہر وقت گھرا رہتا ہے۔ خود یہاں تیرے ظلم کے نمونے تیرے سامنے موجود ہیں۔"

نواب: "میں آپ کے ہر الزام کو تسلیم کر چکا ہوں"۔

ملا: "مگر میں بے ثبوت دیئے نہ رہوں گا" یہ کہتے ہی ملا صاحب نے زور سے تالی بجائی اور چلا کے کہا" اس کے ساتھ والی عورتو! کہاں ہو؟ ادھر آؤ!"

ملا مراد کی آواز سنتے ہی بندی جان اور سعادت کمین گاہ سے نکل کے باہر آئیں اور نواب کو زمین پر پڑے ہوئے گڑگڑاتے اور ملا صاحب کو آپے سے باہر دیکھ کے کانپنے لگیں۔ اور یہاں آ کے دم نہیں لینے پائی تھیں کہ ملا صاحب نے ڈانٹ کے کہا جلدی بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اور اس نواب نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ مگر دیکھو سچ سچ کہنا۔ مجھے سارا غیب کا حال معلوم ہے، اور کوئی چیز بھی مجھ سے چھپی نہیں ہے۔ صرف تمھاری زبان سے اس کے سامنے اقرار کرانا چاہتا ہوں۔"

بندی: (ملا صاحب کے قدم چوم کے) نواب صاحب ہمارے آقا اور مالک ہیں جب تک خود اُن کا حکم نہ ہو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس میں چاہے آپ مار ڈالیں مگر ہماری زبان سے ایک حرف بھی نہ نکلے گا۔"

ملّا: (نواب سے) "انھیں اجازت دے کہ اپنی سرگزشت بیان کریں۔"

نواب: (دونوں ساتھ والیوں سے) "جب ملا صاحب کو خود ہی معلوم ہے تو تمھارے نہ کہنے سے کیا ہوگا، جو کچھ ہو صاف صاف بیان کر دو۔"

بندی: (اٹھ کے اور ملا صاحب کے آگے ہاتھ جوڑ کے) "حضور ہم دو بہنیں اور کئی بھائی ہیں۔ مدتوں سے محل کے مہتمم و منتظم ہیں۔ میری بہن جس کا نام اچھی بیگم ہے محل کی داروغہ تھی اور میرے بھائی نواب صاحب کی سرکار میں بڑی بڑی تنخواہوں پر نوکر تھے۔ ایکلی میں محل کی آمد و رفت سے بچی ہوئی تھی۔ اور اپنے شوہر کے پاس رہتی تھی تھوڑے دن ہوئے نواب صاحب کے ایک فرزند کا انتقال ہو گیا اور مشہور ہوا کہ اسے خود نواب صاحب کے حکم سے ایک ڈاکٹر صاحب نے زہر دیکے مار ڈالا۔ ڈاکٹر صاحب نے زہر تجویز کیا۔ اور عبدالقہار ایک حافظ جی نے اپنے ہاتھ سے وہ زہر کھانے پینے اور گلوریوں میں دے دے کے اس خوب صورت بچے کا کام تمام کیا۔ اس واقعہ کو جس نے سنا اس کے دل کو ملال ہوا۔ مگر سب سے زیادہ غم میری بہن اچھی کو ہوا۔ اس لئے کہ اُنھیں اس پیارے بچے سے بڑی محبت تھی۔ اس محبت کے جوش میں انھوں نے نواب صاحب ڈاکٹر اور اُن حافظ جی کو بعض لوگوں کے سامنے بُرا بھلا کہا۔ حافظ جی نے سن پایا تو نواب صاحب کے سامنے جا کے رونا روئے۔ نواب صاحب نے طیش میں آکے اچھی کو اور میرے سب بھائیوں کو قید کر لیا۔ اچھی بے چاری کے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔ بے چاری طرح طرح سے

بے آبرو کی گئی۔ بیسیوں آدمیوں نے نواب صاحب کے سامنے اس کو بے عزت کیا۔ اور آج تک معمول ہے کہ ہر مہینہ کے آخر میں ایک بار دربار میں لا کے بے عزت کی جاتی ہے۔ اسکے سر پر سو جوتے مارے جاتے ہیں اور پھر قید خانے میں بھیج دی جاتی ہے۔ اُن لوگوں کی گرفتاری کے وقت میں بھی اپنے گھر سے پکڑ بلائی گئی اور ظاہر میں تو مجھے محلدار کی خدمت دی گئی لیکن اصل میں محل کے اندر گرفتار ہوں تاکہ باہر نکل کے کسی کے سامنے اپنے بہن بھائیوں کی مظلومی کا دکھڑا نہ بیان کر سکوں۔ ایک برس کے قریب ہونے کو آیا کہ میں نہ اپنے شوہر سے مل سکی ہوں اور نہ اپنے سے۔"

ملا: نہایت ہی غیظ و غضب کے ساتھ "کیوں؟ یہ سچ کہہ رہی ہے؟"

نواب: "میرے خلاف جو کچھ کہا جائے سب سچ ہے۔"

ملا: "ظالم بے وقوف بھی ہوا کرتا ہے۔ تجھے اس کا اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو بندی اپنی بہن اچھی اور اپنے بھائیوں کے بے وجہ قید اور بے عزت کئے جانے کا شکوہ کسی کے سامنے نہ کرے۔ مگر اس کا خیال نہ رہا کہ بندی کا شوہر کیا کہتا ہو گا؟ اور کس کس کے سامنے جا کے اپنی مصیبت بیان کرے گا؟" (سعادت کی طرف دیکھ کے) "اب تو اپنا حال بیان کر کہ کون ہے اور کیوں کر اس شخص کے پاس پہونچی؟"

سعادت: (ایک ٹھنڈی سانس بھر کے) "حضور نواب صاحب کے معزز ملازموں میں ایک مولوی سعد اللہ صاحب تھے جنھوں نے نواب صاحب کی رفاقت میں ہر قسم کی بدنامی اٹھائی۔ میں بدنصیب انھیں کی بیٹی ہوں۔ میرا اصلی نام زبیدہ تھا مگر نواب صاحب نے سعادت نام رکھ دیا۔ حلال نگر میں تھوڑے دنوں پہلے نواب صاحب کا شوق پورا کرنے کے لئے جو دلہنیں نمائش کی جاتی تھیں اس کا سارا انتظام میرے والد ہی کے سپرد تھا۔

اور انھیں کی ہوشیاری اور چالاکی سے سارا کام انجام پا رہا تھا۔ اتفاقاً ہلال نگر کے ایک بڑے معزز رئیس زادے محمد منیر کی دلہن مہ لقا بیگم غائب کر دی گئی۔ محمد منیر اگرچہ مولوی سعد اللہ کے شاگرد تھے مگر نواب صاحب کی خدمت بجا لانے کے جوش میں انھوں نے شاگرد کا کچھ پاس و لحاظ نہ کیا۔ اور مہ لقا کو برات میں سے اڑا لائے۔ اس نے محل میں پہونچ کے ایسی حرکتیں کیں کہ سب کو یقین ہو گیا اس پر کسی جن کا سایہ ہے۔ اس جن کے دور کرنے کے لئے مہ لقا والد کے حوالہ کی گئی اور ان کی حراست میں سے خدا جانے کیوں کر نکل گئی۔ یہ دیکھ کے ابا جان حرام پور سے بھاگ آئے۔ اور نواب کا جب ان پر قابو نہ چلا تو مجھے اور میری والدہ کو زبردستی پکڑوا بلایا۔ اور ہمارا گھر لٹوا لیا۔ ہم دونوں ماں بیٹیاں محل میں لا کے حد سے زیادہ بے حرمت کئے گئے۔ اور محل کی لونڈیاں بنائے گئے۔ اماں جان اس صدمے سے بیمار پڑ گئیں۔ اور آخر فالج میں مبتلا ہو کے ایسی معذور ہوئیں کہ محل سے نکال دی گئیں۔ اور اب شہر کے ایک چھوٹے سے ذلیل مکان میں تنہا پڑی کراہا کرتی ہیں!"

سعادت کی سرگزشت سنے ملا مراد کو نہایت ہی غمگین بنا دیا۔ کچھ دیر تک ایک سخت غمزدہ کی طرح خاموش رہے پھر سر اٹھا کے نواب پر ایک نگاہ قہر ڈالی اور پوچھا: "یہ بھی سچ ہے؟"

نواب: "بالکل سچ۔"

ملا: "آہ! اس قدر سزائیں دیتے کے بعد بھی نوع انسان کو ابھی تجھ سے بہت انتقام لینا باقی ہے۔" یہ کہتے ہی ملا صاحب بیٹھ گئے۔ چند منٹ تک چپکے چپکے آپ ہی آپ کچھ باتیں کرتے رہے۔ پھر اٹھ کے ایک طرف گئے اور درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو گئے۔

نواں باب

جان شاں ہمدرد

ملا مراد کے جانے کے بعد دونوں عورتیں اور نواب عجیب یاس و بیم کی حالت میں تھے۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ مگر زبان سے کچھ نہ نکلتا تھا نواب کی حسرت نصیب نگاہ کہتی تھی "تم سے امید نہ تھی کہ یوں دغا کروگی!" بندی و سعادت کی نادم آنکھیں کہتی تھیں "ہم مجبور تھے نہ کہتے تو کیا کرتے؟ اور اس پر بھی ہم نے آپ کی اجازت سے اپنی سرگزشت بیان کی"!

زبان حال سے یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ملا صاحب اس وضع سے آگئے کہ شمشیر آبدار ان کے ہاتھ میں تھی جو اندھیرے میں چمکی۔ اور نواب کو معلوم ہوا کہ ان پر پڑا ہی چاہتی ہے۔ نواب کو اگرچہ اٹھنے کی اجازت نہ تھی مگر اپنا کام تمام ہوتے دیکھ کے بے اختیار اٹھ کے ملا صاحب کے قدموں سے لپٹ گئے اور کمال عاجزی کے ساتھ کہا "مجھے نہ ماریئے! اگلے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ پھر کبھی ایسا قصور نہ کروں گا"!

یہ الفاظ سن کے ملا صاحب نے تلوار روک لی۔ اور کہا "تیرے گناہ اور معاف ہوں! جس کے ہر ہر فعل نے صدہا بندگان خدا کو آزار پہنچایا ہو اس کے گناہوں کو خدا بھی نہ معاف کرے گا"!

اس وقت نواب صاحب کی وہی حالت تھی جو کسی سخت ترین سیاہ کار کی حالت مرتے وقت ہوتی ہے۔ زندگی کے سارے ناپاک کارنامے پیش نظر تھے۔ ان کے دست ستم کے ستائے ہوئے تمام مظلوم طرح طرح کے حربے ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے۔

اور کہہ رہے تھے کہ "جس عالم میں تو نے ہمیں بھیجا ہے۔ اس میں تو بھی آ تو تجھ سے بدلہ لیں۔ آجلدی آ! اب دیر نہیں! صرف ایک سانس کا وقفہ ہے! تو نے آخری سانس لی اور ہمارے آتشیں گرز اور دوزخی حربے تجھ پر پڑنے لگے۔" ہزارہا انتقام لینے والوں کے اس مہیب انبوہ کو دیکھ کے نواب نے آنکھیں بند کرلیں۔ اور ملا صاحب کے قدم چوم لئے جن سے لپٹے ہوئے پڑے تھے پھر دانت نکال کے کہا "للہ مجھے اپنی کاری تلوار سے بچا لیجئے۔ ورنہ میں ہزاروں انتقام لینے والوں کے نرغے میں پڑ جاؤں گا۔ جو مجھے دوسرے عالم میں بلا رہے ہیں اور نہایت بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں کہ میں ان کے عالم میں قدم رکھوں اور مجھ پر حملہ کر دیں۔"

ملا: "انھیں انتقام لینے والوں میں سے ایک میں بھی ہوں جو تجھ سے بدلہ لینے کیلئے عالم آخرت سے نکل کے دنیا میں چلا آیا ہوں تاکہ یہیں سے تجھ پر عذاب شروع کر دوں"

یہ الفاظ سنتے ہی بدنصیب نواب نے ملا صاحب پر ایک خوف زدہ نظر ڈالی۔ اور بہت ہی ڈر کے پوچھا "آپ بھی مجھ سے انتقام لیں گے؟ آپکا میں نے کیا بگاڑا ہے؟"

ملا: "تجھے تو نے ایسا آزار پہونچایا ہے کہ جوش انتقام کی بے قراری میں مجھے کسی حال میں قرار نہیں آ سکتا۔ نہ اس دنیوی عالم میں چین آتا ہے اور نہ اس عالم آخرت میں۔ فقط تجھ سے بدلہ لینے کے لئے کبھی وہاں سے یہاں آتا ہوں اور کبھی یہاں سے وہاں چلا جاتا ہوں۔"

نواب: مگر میں آپ کو پہچانتا ہی نہیں۔ کیوں کہ مانوں کہ میرے ہاتھ سے آپ کو کبھی آزار پہونچا ہے؟"

ملا: خوب آنکھیں کھول کے دیکھ، غور کر! یاد کر اور اس پر بھی نہ پہچانے تو مجھ سے پوچھ۔"

نواب نے بہت آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھا مگر کچھ نہ سمجھ سکے۔ اور کہا: "نہیں! میں نے کبھی آپ کو نہیں ستایا میں کبھی آپ سے ملا ہی نہیں ہوں!"

اب نواب اور عورتیں دونوں ملا مراد کو غور کر کے دیکھ رہے تھے کہ ملا صاحب نے نہایت ہی جوش کے ساتھ کہا "ادھر دیکھ! اور پہچان! میں تیری بدمعاشیوں کا آلہ تیری بدکاریوں کا ذریعہ۔ اور تیرے ہاتھ کا سخت ترین مظلوم مولوی سعداللہ ہوں۔"

یہ الفاظ نہ تھے آسمان سے گرنے والی بجلی تھی جس نے اپنی کڑک اور چمک سے نواب اور بندی دونوں کو سخت بدحواس کر دیا۔ بے اختیار دونوں کی زبان سے نکلا "مولوی سعداللہ!" اور خوف سے بے ہوش ہو گئے۔ صرف سعادت کے ہوش ٹھکانے تھے جو نواب کے قریب بیٹھ کے اپنے آنچل سے ہوا دینے لگی۔ یہاں تک کہ نواب کی اور بندی کی چند منٹ کے بعد آنکھ کھلی اور دونوں ہوش میں آتے ہی مولوی سعداللہ کے سامنے ہاتھ جوڑ کے کھڑے ہو گئے جو شمشیر برہنہ کھینچے ہوئے خاموش کھڑے تھے۔ چند منٹ کے بعد نواب نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "آپ دنیا میں موجود ہیں؟"

مولوی سعداللہ: "ہاں دنیا میں آیا ہوں کہ تجھے تیری بدکاریوں اور ستم شعاریوں کا مزہ چکھاؤں۔"

نواب: "آپ کے معاملے میں مجھ سے غلط فہمی ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ مرتد ہو گئے کو نکال۔"

سعداللہ: "میں نے مانا کہ میں تیرا گنہگار تھا۔ مگر زبیدہ (سعادت) اور اس کی ماں نے کیا قصور کیا تھا جو تو نے اُن کو خراب اور ذلیل کیا؟"

نواب: "خیر اب تو جو قصور ہوا ہو چکا۔ میں نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ حضور میرا قصور معاف فرمائیں۔"

سعد اللہ: "نہ تیرا قصور معاف کرنے کے قابل ہے اور نہ مجھے بے انتقام لئے صبر آئے گا۔"

نواب: (اسی طرح ہاتھ جوڑے ہوئے) "تو حضور کیا انتقام لیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ مجھے مار ڈالیں۔"

سعد اللہ: "فقط مار ڈالنے سے میرا دل نہ ٹھنڈا ہوگا۔"

اتنے میں سڑک پر دو تین گاڑیوں کی گھڑگھڑاہٹ سنی گئی۔ آدمیوں کی آہٹ پاتے ہی نواب نے کمال بدحواسی سے صدائے فریاد بلند کی اور بے تحاشہ غل مچایا کہ "ہائے مجھے بچاؤ! خدا کے لئے خبر لو! ورنہ میں مار ڈالا جاؤں گا۔"

یہ دیکھتے ہی مولوی سعد اللہ نے ان کے سر پر اپنی تلوار سے تابڑ توڑ دو وار کئے۔ نواب زخمی ہو کے چیختے ہوئے زمین پر گر پڑے۔ مولوی سعد اللہ انھیں وہیں تڑپتا چھوڑ کے بھاگے اور درختوں میں غائب ہو گئے۔ ان کے جاتے ہی کئی اجنبی آدمی غل مچاتے ہوئے آ گئے۔ جن کی صورت دیکھتے ہی دونوں عورتیں ان کے قدموں پر گر پڑیں اور رو رو کے کہنے لگیں: "ہائے نواب صاحب کو مار ڈالا۔" نوواردوں میں سے ایک نے بڑھ کے پوچھا "کون نواب؟"

بندی: "حرام پور کے نواب۔ یہ دیکھئے سامنے پڑے ہوئے ہیں۔"

نووارد: (متحیر و ششدر) "حرام پور کے نواب! اور انھیں کس نے مارا؟"

بندی: "مولوی سعد اللہ نے۔"

نووارد: "مولوی سعد اللہ! وہ زندہ ہیں؟"

بندی: "زندہ تو نہیں ہیں مگر بھوت بن کے دنیا میں آئے اور ہمارے حضور کو مار گئے۔"

نووارد: "معلوم ہوتا ہے ڈر کی وجہ سے تمھارے حواس جلتے رہے ہیں۔

خیر دیکھوں نواب کا کیا حال ہے؟"

یہ کہہ کے نووارد نے جس کے ساتھ اور دس پندرہ آدمی تھے نواب کی لاش کے پاس جھک کے دیکھا تو نظر آیا کہ نواب زندہ ہیں۔ سر کے زخموں سے خون جاری ہے جس میں بال اور کپڑے لتھڑ گئے ہیں مگر سانس کی رفتار سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی زخم کاری نہیں ہے۔ فقط ہیبت کھا کے بے ہوش ہو گئے ہیں۔ دونوں عورتوں سے کہا "ذرا بیٹھ کے پنکھا جھلو" اور اپنے آدمی نے پانی منگوا کے نواب کے منہ پر چھڑکنا شروع کیا یہاں تک کہ کچھ کچھ ہوش کے آثار نمایاں ہوئے اور بندی نے پکار کے کہا "حضور آنکھیں کھولیں وہ بلا دور ہوئی۔ اور خداوند کریم نے آپ کی مدد کے لئے بہت سے آدمی بھیجد یئے"۔ نواب نے آنکھیں تو نہیں کھولیں۔ مگر ناتوانی کی مایوسانہ آواز میں کہا "آہ! دنیا میں میرا کوئی ہمدرد نہیں۔ جو ہے دشمن ہی ہے"

بندی: "ایسا نہ کہئے۔ دیکھئے کیسے دردمند لوگ آپ کی خدمت کر رہے ہیں!"

یہ سن کے نواب نے آہستہ سے آنکھ کھولی۔ اور ساتھ ہی چہرے پر مُردنی چھا گئی سب بے اختیار ارادہ کیا کہ اٹھ کے بھاگیں۔ اور سہمی ہوئی آواز میں کہا "مجھے اس جانستاں ہمدردوں سے بچاؤ! اس کی ہمدردی سے بڑا کوئی عذاب نہیں ہو سکتا!" اس کے ساتھ ہی نواب نے ایک چیخ کے ساتھ "منیر" کا نام لیا اور پھر بیہوش ہو گئے۔

دوسرا حصہ

پہلا باب

مہربان دشمن

نواب حرام پور نے اُس وحشت ناک جنگل میں "منیر" کا نام بے وجہ نہیں لیا تھا
اصل میں وہ منیر ہی تھا۔ منیر گذشتہ شب کو چند احباب باصفا اور خاصتہ" لکھنؤ کے
ایک معزز تازہ وارد دوست نواب باقر مرزا کو سیر کرانے کے لئے اپنے موضع پسیانواں میں
لے گیا تھا۔ اور دن بھر وہاں ٹھہر کے اس وقت آخر شب میں ان سب کے ساتھ اپنے گھر
واپس جا رہا تھا کہ راستہ میں نواب کے چیخنے کی آواز سنی۔ گاڑیاں رکوا کے درختوں کے
جھنڈ میں گھسا۔ اور وہ منظر نظر کے سامنے ہو گیا جس پر اس سلسلہ کا حصہ اول ختم ہوا ہے"۔

نواب کو اپنے سے خائف و دہشت زدہ اور اپنے نام سے وحشت کھاتے
دیکھ کے وہ دونوں عورتوں کو ہٹا کے الگ لے گیا۔ اُن سے کیفیت دریافت کی اور
سعادت نے کل حال اوّل سے آخر تک کہہ سنایا۔ منیر کو جب یہ معلوم ہوا کہ سعادت
اصل میں اس کے استاد مولوی سعد اللہ کی بیٹی زبیدہ ہے اور پھر اس کے بعد اس کے ساتھ
نواب صاحب کا سلوک معلوم ہوا تو اُس کی عجیب حالت ہوئی۔ اس عبرت روزگار
واقعے کا خیال کر کے سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

اور دل میں ایک نشتر اتر گیا۔ مگر ساتھ ہی اُسے اس خیال نے گونہ تسلّی دی کہ "مولوی صاحب نے میرے ساتھ جو چاہے کیا ہو۔ مگر الحمد للہ کہ میرے ہاتھ سے ان کو کسی طرح کا آزار نہیں پہونچا"۔ پھر ایک آہ سرد بھر کے کہا "مگر خدا کی کارسازی دیکھنی چاہیئے کہ جس شخص کے لیئے انھوں نے اپنے علم و فضل اپنے زہد و تقویٰ اپنے دین و ایمان بلکہ اپنی سعادت دارین کو بھی بیچ دیا اسی کے ہاتھ سے انھیں بے رحمی و شقاوت اور بدکاری و ضلالت کی سزا ملی" پھر زبیدہ کی طرف توجہ کر کے کہا "تو اب تم کیا چاہتی ہو؟"

زبیدہ: "نواب صاحب کے چند رفقا اور ان کے موٹر یہاں سے کوئی میل بھر کے فاصلے پر کھڑے ہیں کسی کو بھیج کے انھیں بلوا دیجئے تاکہ اہل خیر سے اپنے گھر پہونچ جائیں"

منیر: "ابھی۔ مگر پہلے تم بتاؤ کہ خود تمھارا کیا ارادہ ہے؟ نواب صاحب کے ساتھ جاؤ گی؟ یا اُن سے الگ ہو کے عزت و آبرو کے ساتھ رہنا چاہتی ہو؟"

زبیدہ: (زار و قطار رو کے) "آہ! مجھے عزت و آبرو سے کیا واسطہ! جو نواب کے گھر میں رہ چکا ہو وہ بھلا آبرو کا نام لے سکتا ہے؟"

منیر: "تم نے شاید نہ پہچانا ہو گا"

زبیدہ: "نواب کی زبان سے منیر کا نام سنتے ہی پہچان گئی۔ پھر آپ ہی خیال فرمایئے کہ جس کے باپ نے آپ کو دغا دی ہو وہ کس منہ سے آپ کے سامنے کسی بات کے لیئے التجا کر سکتی ہے؟"

منیر: "تمھارے والد نے جو کچھ کیا وہ اُن کا کام تھا۔ مگر مجھ پر اُن کے بڑے بڑے حقوق ہیں۔ ان حقوق کو اُن کے ساتھ ادا نہ کر سکا تو تمھارے ساتھ ادا کر کے میں اپنے دل کو تسلی دوں گا۔ میں تمھیں لے چل کے نہایت عزت و آبرو کے ساتھ رکھونگا"

تمھاری خدمت کروں گا۔ اور نواب نے تمھارے ساتھ جو کچھ کیا اس کا خیال نہ کرو۔ تم بے بس تھیں اور بے کس، اور ایسی حالت میں جو کچھ ہو جائے اسے خدا معاف کرے گا۔ تم میرے گھر میں چل کے رہو۔ میری بی بی تم سے مل کے بہت خوش ہوں گی۔ اور تمھیں بڑی عزت سے رکھیں گی۔"

زبیدہ: "آہ! مگر ابا جان حرام پور میں پڑی ہیں اور کوئی انھیں مرتے وقت پانی دینے والا تک نہیں ہے۔ انھیں چھوڑ کر میں کیوں کر آپ کے یہاں آسکتی ہوں۔"

منیر: "میں انھیں بلوا دوں گا اور جہاں تک بنے گا انھیں آرام پہونچاؤں گا۔"

زبیدہ: "ابھی تو مجھے نواب ہی کے ساتھ جانے دیجیے ایسا ہے تو کبھی پھر چلی آؤں گی۔"

منیر: "تمھیں اختیار ہے میں جبر نہیں کر سکتا۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ یہ سچ مچ مولوی صاحب ہی تھے جنھوں نے نواب کو زخمی کیا؟"

زبیدہ: "جی ہاں وہی تھے۔"

منیر: "میں تو جانتا تھا کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ اور اب وہ دنیا میں نہیں ہیں۔"

زبیدہ: "یہی میں نے بھی سنا تھا مگر اس وقت یکایک وہ ملا مرآد سے ابا جان بن گئے۔ اور پھر جو میں نے غور سے دیکھا تو صورت شکل اور بات چیت میں ذرا فرق نہیں۔ اور نواب سے انھوں نے کہا بھی یہ کہ میں تم سے بدلہ لینے کے لئے عقبیٰ سے دنیا میں چلا آیا ہوں۔"

منیر: "مگر یہ بھلا سمجھ میں آنے کی بات ہے؟ کسی کو بھی اس کا یقین آسکتا ہے؟"

زبیدہ: "اب کسی کو یقین آئے یا نہ آئے مگر ہوا یہی جو میں کہتی ہوں۔"

ان باتوں کے بعد منیر دونوں عورتوں کو لئے ہوئے درختوں میں سے نکل کے سڑک پر آیا۔ چند آدمی وہاں بھیج دیئے جہاں نواب بے ہوش پڑے تھے تاکہ ان کی حفاظت

کریں پھر اپنے ایک آدمی کو گاڑی پر بٹھا کے روانہ کیا کہ نواب صاحب کے رفقا اور اڈوردلی کو لے آئے۔ اور خاموش کھڑے ہو کے نواب حرام پور کی اس وقت کی بے کسی پر غور کرنے لگا دل میں کہا "واہ! یہ وہی بدکار و بدمعاش رئیس ہے جسے اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا اب اس وقت کیسا بے بس ہے اور ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جنھیں ستا چکا ہے۔ مجھے پورا موقعہ حاصل ہے کہ اس وقت اس سے اپنا بدلہ لے لوں جو چاہوں کر سکتا ہوں مگر نہیں۔ میں اس کا سا بدمعاش نہیں ہوں۔ اگرچہ میرے ساتھ اس نے برائی کی مگر میں اس کے ساتھ بھلائی ہی کروں گا۔ اس سے زیادہ موثر جوتیاں نہیں لگائی جا سکتیں۔ اگرچہ جانتا ہوں کہ بدمعاشوں کو ایسی مار سے چوٹ نہیں لگتی۔ مگر نہ لگے۔ میں اپنی وضع نہ چھوڑوں گا۔"

منیر اسی سوچ میں کھڑا تھا کہ اس کے دوست نواب باقر مرزا نے قریب آ کے کہا: "حضرت! یہ کیا معاملہ ہے؟ اور یہ کون بزرگ ہیں جن کو کسی نے تلواریں مار مار کے نیم جان کر دیا؟"

منیر: (مسکرا کے) "یہ ایک نواب صاحب ہیں۔"

باقر مرزا: "آپ کو میرے سر کی قسم! واللہ ہے غضب ہو گیا۔ ان پر تو خیر جو کچھ گزرنا تھی گزر گئی لیکن میں پوچھتا ہوں اب شہر تک کیوں کر پہونچیں گے؟ واللہ راستہ مخدوش ہے۔"

منیر: (مذاقاً) "جی ہاں! اس سڑک پر اکثر ایسے واقعات پیش آیا کرتے ہیں۔"

باقر مرزا: "آپ مذاق تو نہیں کر رہے ہیں؟ مجھے بخدا وحشت ہونے لگی۔ یہ آپ سے کس نے کہا تھا کہ ایسے خطرناک راستے میں رات کو سفر کیجئے؟"

منیر: "آپ خوف نہ کھائیں۔ ہمارے ساتھ کئی آدمی ہیں کوئی بولے گا تو، ہم بھی مقابلہ کریں گے۔"

باقر مرزا: (مسکرا کے) "تو بندہ پرور، آپ مقابلہ کیجئے گا۔ میرے تو آپ کے سر کی قسم ابھی سے حواس جاتے رہے۔ خیر ہوگا۔ اور یہ تھے کون نواب صاحب؟"

منیر: "نواب حرام پور۔"

باقر مرزا: "آپ کو میرے سر کی قسم! تو واللہ خوب ہوا۔ میں تو بہت ہی خوش ہوا۔ یہ مردود جس قدر پٹے اسی قدر اچھا ہے۔"

منیر: (استعجاب سے) "آپ کو ان غریب کے ساتھ کیا عداوت ہے؟"

باقر مرزا: "اجی بڑا شقی ہے۔ اسے جس طرح میرے دوست آغا پر ترس نہیں آیا اسی طرح کسی کو اس پر ترس نہ آنا چاہیئے۔"

منیر: "آخر کچھ ارشاد تو فرمائیے۔ وہ کون سا واقعہ ہے جس سے آپ اس قدر برہم ہیں۔"

باقر مرزا: "ایک واقعہ ہو تو عرض کروں؟ بیسیوں ہیں واللہ بیسیوں!"

منیر: "ایک تو بیان فرمائیے۔"

باقر مرزا: "اوّل تو اس نے لکھنؤ میں بہت سے گرگے چھوڑ رکھے ہیں جو گھر گرست عورتوں کو طرح طرح کے فقرے دے کے بھگالے جاتے ہیں اور اُن سے اس کے محل کا دوزخ بھرتا ہے۔ بارہا یہ ہوا کہ اُن بدمعاشوں نے کسی غریب کی لڑکی کو حسین و خوبرو سُن کے کوئی خوش رو نوجوان پیش کیا۔ اس کی طرف سے شادی کا پیام دیا۔ بڑے بڑے سبز باغ دکھائے اور چپکے سے اُس نوجوان کے ساتھ نکاح پڑھا کے لڑکی رخصت کرالی رخصت ہوتے ہی لڑکی حرام پور پہونچ گئی۔ اور اُس کے ماں باپ سر پیٹ کے رہ گئے۔"

منیر: "شاید اب ایسا کرنے لگے ہوں۔ ورنہ ظاہر میں تو نہایت ہی مہذب و شائستہ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

باقر مرزا: جی بڑے مہذب! اسی تہذیب کا اور حال سنئے۔ ابھی حال میں دلربا بیگم نام حرام پور کی ایک امیرزادی لکھنؤ میں تشریف لائی ہیں اور چاہتی ہیں کہ کسی شریف سے نکاح پڑھا لیں چنانچہ خود میرے پاس بھی اُن کا پیام آیا تھا۔ میں نے اپنی ماما بھیجی اور اُن سے کہلا بھیجا کہ آپ حرام پور سے نکاح کے لئے یہاں کیوں آئی ہیں؟ سنتے ہی جھنجھلا کے بولیں "ارے آگ لگاؤ نگوڑے حرام پور کو میں تو وہاں زندگی بھر نہ جاؤں گی۔" ماما نے حرام پور سے نفرت ہونے کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے بیان کیا کہ میں اسی نواب کی رشتے کی بھانجی ہوں اور میری خوب صورتی حرام پور میں مشہور ہے نواب جسے غیروں کی طرح اپنے عزیزوں کی عزت و آبرو کا بھی پاس و لحاظ نہیں ہے۔ مجھ پر فریفتہ ہو گیا۔ اور ارادہ کیا کہ مجھ سے ساز باز کرے۔ میں نے کہلا بھیجا کہ آپ کو ایسا ہی شوق ہے تو مجھ سے نکاح پڑھوا لیجئے۔ میں حرام نہ کروں گی۔ اس جواب پر وہ ظالم دل میں ہنسا اور بولا حرام پور میں حلال سے کیا غرض؟ اس کے بعد میرے مکان میں اندر باہر اپنے زنانے مردانے جاسوس لگا دیئے تاکہ معلوم ہوتا رہے کہ اور سے نکاح کا سلام پیام تو نہیں ہو رہا ہے۔ میں نے مدت تک یہ حالت دیکھی اور صبر کئے بیٹھی رہی اس کے خوف سے سب جگہ کا آنا جانا چھوڑ دیا۔

میں مدت سے نہائی نہ تھی اور ارادہ کر رہی تھی کہ کسی دن موقع ہو تو حمام میں جا کے غسل کروں۔ ایک دن نواب موا سوار ہو کے سیر کو گیا تھا میں موقع پا کے حمام میں گئی خدا جانے اس مونڈی کاٹے کو کیوں کر اس کی خبر ہو گئی کہ حمامیوں کا بھیس بدل کے حمام میں آ پہونچا۔ اور ارادہ کیا کہ مجھ تک پہونچے مگر غنیمت یہ ہوا کہ حمام کے دروازے ہی پر تھا کہ میری کہاری پہچان گئی۔ اور دوڑ کے مجھے خبر کی میں نے جھٹ پٹ یہ کیا کہ ایک ماما کے کپڑے پہن لئے اور میلے کپڑوں کی بقچی بغل میں دبا کے باہر نکل کھڑی ہوئی۔ شام کا جھٹ پٹا وقت تھا وہ سمجھا کوئی ماما جا رہی ہے اور میں حمام سے نکلتے ہی سیدھی اپنے گھر پہونچی۔ میرے نکل آنے کی خبر نواب کو ہوئی تو موا ہاتھ مل کے رہ گیا

مگر حمام کی تمام ملازمہ عورتوں پر اس قدر بگڑا اور ایسے غصے میں آیا کہ تمام عورتوں کو اور میرے ساتھ کی جو مامائیں وہاں رہ گئی تھیں ان کو پکڑوا پکڑوا کے حمام کے جلتے ہوئے حوض میں ڈلوا دیا کھولتا ہوا پانی. کئی عورتیں اُبل اُبل کے مرگئیں. اور جو بچیں ان کی کھال گر گئی. یہ بے گناہ اور غریب عورتیں جلتے اور اُبلتے وقت چلا چلا کے آہ و زاری کرتی تھیں مگر اسے ترس نہ آیا بیٹھا ہوا اُن کا تماشا دیکھتا اور خوش ہو ہو کے ہنستا تھا۔ یہ حال سُن کے میں دل میں سہم گئی۔ اور ایسی گھبرائی کہ حرام پور میں زندگی دُشوار ہوگئی۔ آخر دل میں ٹھان لی کہ حرام پور میں نہ رہوں گی۔ دو ہی چار روز کے اندر اُسے بھول میں ڈال کے میں گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ اور جب اسٹیشن پر پہونچ لی ہوں۔ تب میری جان میں جان آئی ہے۔ وہاں سے ٹکٹ لیکے سیدھی لکھنؤ میں آئی۔ اور ارادہ ہے کہ جیتے جی پھر حرام پور کا نام نہ لوں گی۔" یہ قصہ بیان کر کے باقر مرزا نے کہا "اس واقعہ سے آپ خیال کر سکتے ہیں کہ یہ کیسا ظالم اور سنگ دِل ہے؛ اور اسی لئے میں کہتا ہوں کہ خوب ہوا جو اسے سزا ملی۔"

مُنیر: "واقعی اس نے ظلموں کی حد کر دی۔ مگر مجھے اس قصہ کا یقین نہیں آتا۔"

باقر مرزا: "بخدا میں سچ عرض کرتا ہوں اور میرے کہنے کا یقین نہ ہو تو میرے ساتھ لکھنؤ چلئے دلربا بیگم کا مکان دکھادوں۔ اس پر اطمینان نہ ہو تو میں خود ان کی زبان سے آپکو یہ واقعہ سنوا دوں گا۔"

اتنی دیر میں موٹر اور مصاحب آگئے۔ محمد منیر نے فوراً اُن لوگوں کو لے جا کے بیہوش نواب کے سر پر کھڑا کر دیا۔ اور کہا "جس طرح بنے نواب صاحب کو آپ گھر لے جائیں۔ اور یہ بھی غنیمت سمجھئے کہ جان بچ گئی۔ ہم لوگ اس وقت نہ پہونچ جائیں تو اُن کے مار ڈالے جانے میں کوئی کسر نہیں اُٹھ رہی تھی۔"

ایک مصاحب: "آخر یہ ہوا کیا؟ ہم تو منتظر تھے کہ ہمارے حضور آتے ہی ہوں گے۔"

منیر: "اب یہ سارا حال اُن دونوں عورتوں سے دریافت کر لیجئے گا جو ہمراہ ہیں۔

ہمیں زیادہ ٹھہرنے کی فرصت نہیں۔" یہ کہتے ہی منیر اور اس کے رفقا نے گاڑیوں پر سوار ہو کے حلال نگر کی راہ لی۔ اور مصاحبین اور دونوں عورتیں نواب کے اٹھانے کا بندوبست کرنے لگیں

دُوسرا باب

جیسے گئے تھے ویسے ہی آ گئے

صبح صادق کا وقت ہے اور ساکنان ملاء اعلیٰ چاہے اپنی صورت نہ دکھائیں مگر زمین والوں سے ملنے کے لئے نیچے اتر آئے ہیں۔ صبح کا تارا مشرق سے سر نکال کے اہل عالم سے کہہ رہا ہے "بس صحبت شب برخاست! سونے والے آنکھیں کھولیں کہ اس سے زیادہ سونا غفلت ہے۔ مخموران صحبت شب اب جا کے سو رہیں اس لئے کہ رات کے ہم کنار شاہدوں کے پھولوں کے زیور کے ساتھ اُن کا حسن بھی باسی ہو گیا۔ زاہدان شب زندہ دار فریضۂ فجر ادا کر کے محو خواب ہوں۔ کیوں کہ "الاکثار فی التعبد بدعۃ" اور تارکان تہجد بہت سو چکے اُٹھ کے اب نماز صبح پڑھیں۔

ابھی صبح کا بالکل ابتدائی وقت ہونے کی وجہ سے دنیا پر عالم خموشی طاری ہے۔ طیور بھی ابھی خاموش ہیں۔ رات کی محفل ہائے عیش و طرب میں ندیمان صحبت کی مخموری سے سناٹا پیدا ہونے لگا۔ اور اُن کے مقابل مساجد و معابد سے جہاں سویرے ہی سے سونا پڑ گیا تھا بیداری کے آثار نمایاں ہوئے۔ ساتھ ہی مُرغ سحر نے بانگ دی۔ اور حرام پور کے جن صبح خیزوں نے مُرغ کی آواز سنی تھی موٹروں کے چلنے کی آواز سنی۔ اور متعجب تھے کہ اتنے تڑکے کسے سیر کا شوق ہوا۔ اتنے میں نوابی محل کے پاس مسجد کے مؤذن نے سر نکال کے دیکھا کہ باہر سے دو اعلیٰ درجہ کی موٹریں محل کے پھاٹک پر آ کے رکیں چند لوگوں نے اتر کے غل مچایا "جلدی پھاٹک کھولو۔ نواب صاحب تشریف لائے ہیں۔" فوراً پھاٹک کھلا۔ اور

موٹریں اندر داخل ہوگئیں۔ مگر جب تک نمازی نمازِ فجر سے فارغ ہو کے مسجد سے نکلیں، جابجا مشہور تھا کہ "نواب صاحب کو کسی نے سخت زخمی کیا۔ اور حالت خطرناک ہے"۔

نواب کے مظالم نے شہر میں ایسا سخت رعب قائم کر رکھا تھا کہ اس مہیب خبر کو سوا سرگوشیوں کے کوئی آواز سے نہ بیان کر سکتا تھا۔ ایک دوسرے کے کان میں چپکے سے کہہ دیتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ چپکے ہی چپکے خبر نے صدہا پہلو بدلے کہیں مشہور تھا کہ نواب صاحب مر گئے کسی جگہ لوگوں کو یقین تھا کہ مرے تو نہیں مگر سکرات کا عالم ہے۔ کوئی کہتا نہیں ابھی موت کا اندیشہ تو نہیں۔ مگر زخم بہت گہرے آئے ہیں۔

لیکن زخموں کی حالت و نوعیت اور نواب کی زندگی و موت کے متعلق جو جو باتیں شہرت پا رہی تھیں اُن میں بھی ایک گونہ تناسب تھا لیکن اس بارے میں کہ نواب صاحب کہاں کیوں کر اور کس کے ہاتھ سے زخمی ہوئے عجیب عجیب خیال آرائیاں ہو رہی تھیں ایک کہتا جنوں نے مار ڈالا۔ دوسرا کہتا جن نہیں کوئی بھوت تھا۔ مگر بڑا زبردست بھوت۔ غرض جتنی زبانیں تھیں اتنی ہی باتیں تھیں۔

اتنے میں ایک سن رسیدہ بزرگ درباری لباس پہنے اور اعلیٰ درجے کی لینڈو میں سوار محل کے اندر داخل ہوئے جن کی صورت سے نہایت ہی اضطراب نمایاں تھا۔ خاص محل کے قریب ایک عمارت کے پاس گاڑی رکی۔ اور وہ اترتے ہی سیدھے اس مکان کی طرف چلے جس میں نواب صاحب کا قیام تھا۔ عورتوں کے رونے پیٹنے اور نالہ بکا کا شور سن کے انھوں نے ایک چوب دار سے پوچھا "خیریت تو ہے؟"

چوبدار: "ابھی تک تو خیریت ہے۔ مگر زخم گہرے اور کاری ہیں"۔

بزرگ: "آخر یہ ہوا کیا؟"

چوبدار: "لے حضور اندر تشریف لے جاکے اُن لوگوں سے پوچھیں جو ہمراہ تھے۔"
یہ جواب سنتے ہی یہ بزرگ اندر داخل ہوئے اور سیدھے اس کمرے میں گئے جہاں نواب صاحب بچھونے پر غافل پڑے تھے۔ یہاں ڈاکٹروں کی حکومت تھی۔ جیسے ہی یوروپین ڈاکٹر نے ان بزرگ کی صورت دیکھی اشارہ کیا کہ "باہر اندر آنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔" اتفاقاً بندی کی نظر اٹھ گئی جو تیمار دار کی خدمت پر مامور تھی بے اختیار چلا اٹھی۔ لے انھیں آنے دیجئے۔ ان کی ممانعت ہو سکتی ہے؟ (ڈاکٹر سے) ہمارے حضور کے نانا جان ہیں۔" حضرت اگرچہ نواب کے بزرگوں میں تھے مگر فارن کا نٹر مناک صیغہ یہاں بزرگوں ہی کے لئے ہے۔ بندی ان کے مرتبہ کو جانتی تھی۔ مگر ڈاکٹر کو کیا پرواہ ہو سکتی تھی؟ بولا "کوئی ہو ہم نہ آنے دیگا۔ اور تم بھی چلا کے بات نہ کرے۔ پھر غل مچایا۔ تو ہم تم کو بھی یہاں سے بدلدیگا۔"
ڈاکٹر کے یہ الفاظ سن کے فارن سکریٹری صاحب کمرے کے باہر نکل آئے اور بندی کو اشارے سے بلایا۔ اور جیسے ہی وہ قریب آئی کہا "یہ واقعہ کیا ہوا میں نے تو کچھ سنا ہی نہیں" بندی نے ساری کیفیت اول سے آخر تک بیان کی اور آخر میں رو رو کے کہنے لگی "کیا کہوں وہاں تو مجھے اور سعادت کو بھی سرکار کے خلاف باتیں خود ان کے حکم سے بیان کرنا پڑیں۔"
سکریٹری: "آخر یہ مولوی سعد اللہ کہاں سے پیدا ہو گئے؟ جتنے لوگ نواب صاحب کے ساتھ جنوں کی عدالت میں گئے تھے ان میں سے کوئی نہیں بچا اور میں نے سنا کہ تمام لوگ جو اس مقدمے میں اسیر تھے سب قتل کر ڈالے گئے۔ سعد اللہ انکے ہاتھ سے بچ کے کیوں کر نکل آیا؟"
بندی: "تو انھیں زندہ کون کہتا ہے؟ میں تو کہتی ہوں کہ وہ بھوت ہو گئے لوریہی خود ان کا بھی بیان تھا۔"
سکریٹری: "ہوا کرے میں تو کروڑ برس تک نہ مانوں گا کہ سعد اللہ زندہ موجود ہے۔

اس میں نواب صاحب اور تم کو دھوکا ہوا ہے۔ کوئی اور شخص ہوگا جو سعد اللہ بن گیا ہے۔ اور جو دھوکا نہیں ہوا تو پھر جانو کہ سعد اللہ زندہ ہے۔ مگر میں پوچھتا ہوں نواب صاحب کو وہاں جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

اتنے میں ڈاکٹر نے باہر آکے کہا "فارن سکریٹری کون ہے؟ نواب صاحب اُسے بلاتا ہے"۔ اتنا سنتے ہی یہ بزرگ پیر مرد لپک کے اندر پہونچے۔ اور نواب صاحب سے چار آنکھیں ہوتے ہی آداب بجا لائے۔ نواب نے قریب بلا کے بٹھایا۔ اور آہستہ سے نہایت کمزور آواز میں کہا "ملک حیدر خاں۔ لوگوں میں اس واقعہ کی نسبت کیا مشہور ہے؟"

ملک حیدر خان: "حضور میرے تو سنتے ہی حواس جاتے رہے۔ گرتا پڑتا دوڑا آیا ابھی کسی سے ملنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اب آج دن کو معلوم ہوگا کہ کون کیا کہتا ہے۔ مگر یہ واقعہ کیا ہوا؟"

نواب: "کیا کہوں کہ کیا ہوا؟ سعد اللہ بھوت بن کے پیچھے پڑ گیا ہے؟ اس نے مجھے ڈرایا دھمکایا۔ اور آخر تلوار سے زخمی کر دیا"

ملک حیدر خان: "مگر حضور تک اس کی رسائی کیوں کر ہوئی؟"

نواب: "کیا کہوں؟ بس میری ہی شامت اعمال تھی دل میں خیال آیا کہ جنوں نے ستایا ہے تو ان کا زور توڑنے کیلئے کسی عامل سے مدد لوں۔ ایک بڑے عامل کا نام سنا۔ لوگوں نے اس کے عمل کی بے انتہا تعریف کی۔ بے سوچے سمجھے دوڑا گیا۔ اور آخر میں کھلا کہ وہ عامل یہی سعد اللہ تھا"

ملک حیدر خان: "اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سعد اللہ زندہ ہے"

نواب: "زندہ ہرگز نہیں۔ وہ خود کہتا تھا کہ صرف مجھے ستانے کے لئے عالم آخرت سے دنیا میں آیا ہے اس کے علاوہ اس کی صورت و حالت بھی زندوں کی سی نہ تھی۔ مجھے تو یقین ہے کہ وہ

مرنے کے بعد شیطان بن گیا ہے۔"
ملک حیدر خان: "مگر حضور تو کبھی بھوت پریت کے قائل نہ تھے؟"
نواب: "ہاں پہلے نہیں قائل تھا۔ مگر اب قائل ہوں (ایک ٹھنڈی سانس لے کے) لیکن سعد اللہ سے بھی زیادہ تکلیف مجھے آج ایک اور شخص کے ہاتھ سے پہنچی۔"
ملک حیدر خان: "وہ کون شخص تھا؟"
نواب: "ھلال نگر کا منیر جس کی دلہن کو سعد اللہ نکال لایا تھا مجھے سعد اللہ کے ہاتھ سے اسی نے بچایا۔ وہ نہ آجاتا تو سعد اللہ نے مار ہی ڈالا ہوتا آہ! مجھے وہ نہ بچاتا۔ دنیا کا کوئی شخص ہوتا مگر وہ نہ ہوتا۔"
ملک حیدر خان: "ایسی باتوں کا حضور خیال نہ فرمائیں۔ اگر اتفاق سے وہاں منیر آگیا تو حضور کی سبکی ہونے کی کیا وجہ؟ مگر میں پوچھتا ہوں منیر وہاں پہونچ کیوں کر گیا؟"
نواب: "اپنے گاؤں بسایا تو اس سے بہت سے آدمیوں کے ساتھ واپس آرہا تھا اس کی آہٹ پاتے ہی سعد اللہ نے گھبرا گھبرا کے مجھ پر دو تلواریں ماریں اور غائب ہو گیا۔"
ملک حیدر خان: "خیر ہوگا۔ حضور پریشان نہ ہوں۔ ہم اب ان سب سے ایک دن سمجھ لیں گے۔ بڑی خیریت یہ ہوئی کہ حضور صحیح و سالم اپنے گھر پہنچ گئے۔ اور جیسے گئے تھے ویسے ہی آگئے۔ زخم تو زیادہ اندیشہ ناک نہیں ہیں؟"
نواب: "یہ تو ڈاکٹر بتا سکتے ہیں۔ مگر سنتا ہوں کہ کوئی خوف کی بات نہیں۔ جلدی اچھا ہو جاؤں گا۔"
ملک حیدر خان: "شکر! لاکھ لاکھ شکر! مگر حضور مجھے اس معاملے میں کچھ فی معلوم ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ سعد اللہ زندہ موجود ہے۔ بغیر اس کے یہ امر ممکن نہ تھا۔ اور کیا عجب کہ محمد منیر سے اس سے سازش ہو۔ اجازت ہو تو میں اس کی خفیہ تحقیقات کروں؟"
نواب: "اگر تمھارا یہ خیال ہے تو ضرور تحقیقات کرو۔ مگر پتہ لگنا دشوار ہے۔"

ملک حیدر خان: "میں تو کسی نہ کسی طرح پتہ لگاؤں گا۔"

نواب: "بہتر، اگر تم نے سعد اللہ کا پتہ لگا لیا۔ اور اسے کسی تدبیر سے حرام پور میں لے آئے تو سمجھوں گا کہ تم سے زیادہ کارگزار شخص میری ریاست میں نہیں ہے۔ لیکن ایک اور بات کا بھی پتہ لگانا ہے۔ اور اس میں بھی میں تمھاری کارگزاری کا امتحان کروں گا۔"

ملک حیدر خان: "حضور ارشاد فرمائیں غلام کوئی بات اٹھا نہ رکھے گا۔"

نواب: "اجی تم تو دل رُبا کو جانتے ہی ہو جو چند روز ہوئے حمام سے بھاگ گئی تھی؟"

ملک حیدر خان: "بخوبی۔ میری تو وہ نواسی ہی ہے۔ میں نہ پہچانونگا؟ حضور حکم ارشاد فرمائیں"

نواب: "وہ یہاں سے یکایک غائب ہو گئی۔ اور کہیں پتہ نہ تھا۔ مگر آج مجھے معلوم ہوتا ہے۔ لکھنؤ میں ہے اور مجھے بدنام کر رہی ہے۔ اگرچہ جانتا ہوں کہ اس کی آواز اعلیٰ احکام تک نہیں پہونچ سکتی۔ رہا ہندوستانیوں میں بدنام ہونا اس کی مجھے پرواہ نہیں۔ اور ہزاروں آدمیوں نے بدنام کر کے میرا کیا بنالیا جو دل رُبا بنالے گی؟ لیکن مجھے اس کا قدر ملال ہے کہ وہ میرے ہاتھ سے نکل گئی؟ اور اس پر غضب یہ کہ لکھنؤ میں اپنی نسبت ڈھونڈ رہی ہے۔ یہ مجھے کسی طرح گوارہ نہیں ہو سکتا کہ خاندان کی لڑکی غیروں میں جائے۔ اس لئے اوّل تو تم پتہ لگاؤ کہ وہ وہاں کہاں ہے؟ کن فکروں میں ہے؟ کیا کرنا چاہتی ہے؟ اور کہیں سے شادی کا سلام و پیام تو نہیں؟ دوسرے کوئی ایسی تدبیر کرو کہ وہ یہاں آجائے پھر میں سمجھ لوں گا۔"

ملک حیدر خان: "حضور کے اقبال سے یہ سب حکم پورے ہوں گے آپ اطمینان رکھیں اور جب تک زخم مندمل نہ ہو جائیں ان فکروں سے دور رہیں۔"

نواب: "بس اب تم جاؤ۔ اور لوگوں سے میری خیریت بیان کرو۔ تاکہ شہر میں میری نسبت خوف ناک خبریں نہ اڑیں۔ جو کوئی پوچھے کہہ دینا کہ شکار کو گئے تھے خفیف سی چوٹ آگئی ہے

مصاحبوں اور اہل دربار کو بھی خبر کر دو کہ میں کل سب سے ملوں گا۔"

تیسرا باب

جشن صحت

رات کے دس بج چکے ہیں اور حرام پور کا جشن طرب مزے پر آیا ہے۔ یوں تو یہاں روز ہی جشن منائے جاتے ہیں۔ مگر آج کا جشن خاص شان رکھتا ہے۔ تمام معززین ریاست نواب کی خوشی میں شریک ہونے کے لئے بلائے گئے ہیں۔ اس لئے کہ آج نواب صاحب نے غسل صحت فرمایا ہے۔ اور سعد اللہ کی تلوار کے نشان تو قیامت تک نہ مٹ سکیں گے مگر زخم اچھے ہو گئے۔ اطبا، ڈاکٹر اور تیماردار خلعت و انعام سے سرفراز کئے گئے اور اہل دربار نے نذریں پیش کیں۔

دربار کے ان تمام نمایشی امور سے فراغت ہونے کے بعد عام لوگ اُٹھ گئے صرف وہ بے تکلف رفقاء، مصاحبین باقی رہ گئے جن سے حجاب نہیں۔ اور صحبت ہمارے نواب صاحب کے مذاق کے مطابق رنگ پر آئی ہے۔ نواب صاحب جنوں کی عدالت سے سزایاب ہونے کے بعد کچھ تو خوف کی وجہ سے اور کچھ افکار و ترددات کے باعث اس وقت تک اپنے فحش مظالم سے رکے رہے تھے۔ دل میں سوچتے تھے کہ پہلے اپنا بدلہ لے لوں پھر اطمینان کے ساتھ اپنے مشاغل جاری اور اپنے شوق پورے کروں گا۔

اب آج رنگ صحبت اور احباب کی بے تکلفیوں نے ایسا گدگدایا کہ تھوڑی ہی دیر میں اپنے اصلی رنگ پر آ گئے۔ ایک یوروشین حسینہ جو نئے فارن سکریٹری ملک حیدر خاں کے حسن کارگزاری سے آ پھنسی ہے۔ نواب صاحب کے پہلو میں بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے

رخساروں کی شمعیں اگر نزاکت و تازگی میں پھولوں کو مات کرتی ہیں۔ تو اُن کی روشنی اعلیٰ درجے کی سوسو بتیوں کے لمپوں کو مات کر رہی ہے مگر اس کا خوب صورت گورا چہرہ تمتمایا ہوا نظر آتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ نواب صاحب تمام لوگوں کے سامنے جوش میں آکے بار بار اُسے گود میں بٹھا لیتے ہیں۔ اور بلا لحاظ اس کے کہ دیکھنے والے کیا کہتے ہوں گے بار بار اس کے لب شیریں کے بوسے لینے لگتے ہیں۔ نواب کی یہ بے حیائی کی حرکت اسے ناگوار گذرتی ہے کبھی شرم و ندامت سے اس کے نازک چہرے کی رنگت سفید سے ارغوانی ہوجاتی ہے۔ اور کبھی پیارے دل فریب چہرے سے غصہ کی تمتماہٹ نمودار ہونے لگتی ہے۔ سامنے لالن نام ایک رنڈی مجرا کر رہی ہے جب وہ گت بھرتی ہوئی قریب آئی تو نواب صاحب نے بڑھ کے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا کھینچ کے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اور اس کے ساتھ بھی وہی فحش اخلاق برتنے لگے جو دیر سے اس یورو شین مہ جبین کے ساتھ مخصوص تھا۔

اسی اثنا میں نواب صاحب کو حکیم صاحب کا یہ کہنا یاد آیا کہ حسینوں سے بے تکلفیاں برتنا شرم و حجاب کا پردہ اٹھا دینا۔ اور فحش سے فحش منظروں کو دیکھنا آپ کے لئے ہیجی اور آپ کے مرض کا مناسب ترین علاج ہے۔ اس خیال نے اور جرأت دلائی۔ اور یکایک دونوں عورتیں یعنی اُس یورشین اور اُس بازاری رنڈی کو دونوں ہاتھ سے کھینچ کے دونوں طرف لپٹا لیا۔ کبھی ادھر منہ پھیر کے اس کے منہ پر منہ رکھ دیتے اور کبھی ادھر منہ کر کے اُس کے لب لعین کو چوم لیتے۔ خیر نواب صاحب تو ان حرکتوں سے اپنے لاعلاج مرض کا علاج کر رہے تھے مگر اس یورشین نازنین کی نازک طبیعت اختیار سے باہر ہوئی جاتی تھی خصوصاً رقابت کا ناقابل برداشت جوش اُسے بالکل آپے سے باہر کئے دیتا تھا۔ بہت دیر تک وہ اپنے جوش کو دل میں دباتی رہی۔ اور خیال کرتی رہی کہ ایک صاحب حکومت فرماں روا کی بدتہذیبیوں

بہبودگیوں اور بے اعتدالیوں کو جہاں تک بنے برداشت کرنا چاہیئے۔ لیکن آخر نہ رہا گیا۔ جبین ناز پر شکن پڑ گئی چہرہ سُرخ ہو گیا۔ آنکھوں میں خون اتر آیا۔ پہلے دو ایک دفعہ آہستہ سے کہا۔ "میں ان باتوں کی تاب نہیں لا سکتی"۔ مگر یہاں کون سنتا تھا؟ نواب صاحب کی فطرت بہ واقع ہوئی ہے کہ جس کام سے روکا جائے اس کی ضد ہو جائیگی۔ اور جس بات کو منع کیا جائے اسے ادبدا کر کریں گے جوش بدتہذیبی اور بڑھ گیا دونوں ہم کناران یمین و یسار کو اور زیادہ کھینچ کھینچ کے لپٹانے لگے۔

یہ دیکھتے ہی اُس بورو نشین پری جمال کے غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی۔ مجنونانہ جوش سے ہاتھ پاؤں مار کے نواب کی گرفت سے چھوٹی۔ اور ساتھ ہی طیش میں آکے نواب کے اس زور سے تھپڑ مارا کہ منھ پھر کے لالن کے منھ پر اس زور سے جا پڑا کہ لالن کا نازک ہونٹ دانتوں سے ٹکرا کے لہو لہان ہو گیا۔ نواب صاحب لپوٹا کھا کے پہلے تو ایک سناٹے میں آ گئے۔ عورتوں کے ہاتھ کی جوتیاں تو بارہا کھائی تھیں۔ مگر بھرے دربار میں ایسی بے وقعتی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ مگر پھر سنبھلے چہرے سے غیظ و غضب کے آثار نمایاں ہوئے اور مصاحبوں کی طرف دیکھ کے فرمایا۔ "کوندا!"

اس اشارے کے ساتھ ہی چاروں طرف سے لوگ اس غیور حسینہ کی آبرو ریزی کیلئے جھپٹے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فحاشانہ حملوں کا نشانہ بنتے بنتے بے ہوش ہو گئی۔ مگر اس پر بھی اسکی جان نہ بچی۔ آخر اس نے نہایت ہی مظلومی کے ہاتھ اسی بخت نصری دربار میں جان دی اور دوسرے لوگوں کو یہ دکھانے کے لئے کہ نواب صاحب کو اس کے مرنے کا بڑا صدمہ ہوا اس کا جنازہ نہایت دھوم دھام اور بڑے کروفر سے اُٹھایا گیا۔ اور اُس کی تربت پر بڑی دل سوزی کے ساتھ پھول چڑھائے گئے۔

لیکن خرابی یہ ہوئی کہ اس بے شرمی کے اختلاط سے جو علاج تجویز کیا گیا تھا اس میں

کامیابی ہونا درکنار اس واقعہ کے باعث اور ضرر پہونچ گیا۔ دل میں کہنے لگے "لاحول ولا قوۃ! میں سمجھتا تھا کہ یہ جشن طرب دلی جوش کو ابھار کے کمزوریوں کو کچھ دفع کردے گا لیکن اب جو دیکھتا ہوں تو میری حالت پہلے سے بدتر ہے۔ روز نئی پریشانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور کوئی بات نہیں بن پڑتی عامل کی جستجو کا جو خوف ناک انجام ہوا ظاہر ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ سعد اللہ مرا نہیں زندہ ہے۔ اور اس نے جو کچھ بیان کیا وہ مکر اور فریب ہے۔ خدا کرے یہ سچ ہو۔ اور سعد اللہ مجھے مل جائے۔ اس کے ملتے ہی امید ہے کہ ساری شکایتیں جاتی رہیں گی لیکن یہ تو جب ہوگا ہوگا اس وقت میں اس کی کیا تدبیر کروں کہ میری ناکارگی طشت از بام ہوئی جاتی ہے۔ اور میں اپنے محل کی عورتوں کی نظر میں ذلیل وخوار ہونیکے علاوہ ساری دنیا کی نظر میں بے عزت ہوا جاتا ہوں۔

اس بدنامی سے بچنے کی ایک تدبیر ذہن میں آتی ہے۔ اگرچہ ہے وہ ایک لغو اور بیہودہ فعل مگر لوگوں کا خیال ہٹ جائے گا۔ اور دنیا میں ایک ایسا دل لگی کا کرشمہ ظاہر ہوگا کہ سب کو بجائے میری ناکارگی کے مجھ میں اعلیٰ درجے کی قوت ہونے کا یقین ہوجائے گا۔ ہاں بس یہی تدبیر ٹھیک ہے یہ کہہ کے دربار برخاست کیا۔ اور چند مخصوصین بارگاہ کے ساتھ بیٹھ کے فحش شاعری گالی گلوج اور دھول دھپہ میں مشغول ہوگئے۔

چوتھا باب

حرامپور کا عشق حقیقی

دوسرے دن قریب مغرب مصاحبین ومعززین دربار کا مجمع ہوا نواب صاحب ایک ترکی قالین پر رونق افروز ہیں۔ اور گرد ہر مذاق اور منش کے لوگ جمع ہیں۔ نواب صاحب نے اِدھر اُدھر کی چند باتوں اور دو ایک کو سرفراز اور دو ایک کو مقہور ومغضوب کرنے کے بعد ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب

کی طرف توجہ کی جو ابھی چند روز ہوئے ملازمت میں داخل ہوئے تھے۔ اور نواب کی مسند کے پاس ہی داہنی طرف تمکنت و وقار سے دو زانو بیٹھے ہوئے تھے یہ ڈاکٹر صاحب اپنے آپ کو بہت اونچا سمجھتے تھے۔ اور تمام مسائل پر چاہے کسی فن کے ہوں محققانہ بحث کرنے کو تیار ہو جاتے۔ سامنے لالتن کھڑی مجرئی کر رہی تھی۔ جس کے لب و رخسار کو نواب صاحب بار بار مسکرا کے دیکھتے۔ اور دیکھتے دیکھتے کچھ نادم ہو جاتے اور پھر چہرہ ملول و غمگین ہو جاتا۔ آخر ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھ کے پوچھا: "کیوں ڈاکٹر صاحب عشق کیا چیز ہے؟"

ڈاکٹر: "ایک قسم کا جنون ہے۔ دماغ میں ہزارہا چھوٹے چھوٹے تجویفیں ہیں جنھیں "سل" کہتے ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک میں کوئی خاص کیفیت اور خاصیت رکھی گئی ہے۔ اُنھیں میں فتور آنے سے دماغی نقصانات پیدا ہوا کرتے ہیں۔ اُنھیں تجویفوں میں سے بعض ایسی ہیں کہ جن میں فرق پڑنے سے انسان میں عشق کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔" یہ کہتے ہی ڈاکٹر صاحب زانو بدل کے چار زانو ہو بیٹھے اور پھر پالتھی مار کے بیٹھ گئے۔ موٹے آدمی تھے ایک پہلو پر دیر تک بیٹھا نہ جاتا تھا خصوصاً دو زانو بیٹھنا تو بہت ہی دشوار تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ نشست نواب صاحب کو ناگوار ہوئی۔ برہم تو تھے ہی برافروختہ ہو کے بولے: "مجھے تو خود آپ پاگل معلوم ہوتے ہیں عشق جنون ہے!"

ڈاکٹر صاحب عبدالرحمٰن اگرچہ تقریباً ایک مہینے سے حرام پور آئے تھے۔ اور بلاناغہ شریک دربار ہوتے رہے تھے۔ لیکن اس وقت تک نواب صاحب کی زبان سے ایسا ایک کلمہ بھی نہیں سنا تھا۔ آج جو نواب نے اپنی اصالت پر آ کے انھیں بے تکان "پاگل" کہہ دیا تو ایک سناٹے میں آ گئے۔ اتنے میں مصاحبوں میں سے ایک نے کہا: "ڈاکٹر صاحب، سرکار کا منشا نہیں ہے کہ عشق کی طبی تحقیقات کی جائے آپ تو چاہے موقعہ ہو نہ ہو بات کا اپریشن کرنے لگتے ہیں"

اس پر تمام حاضرین دربار نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا۔ اور ایک صاحب بولے "حضور اس مسئلہ میں فلسفیوں کے خیالات دریافت فرمانا چاہتے ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب: "فلسفیوں کے نزدیک بھی وہی ہے جو طبیبوں کے نزدیک ہے۔ ہاں شاعروں کے خیالات سے البتہ عشق کا رسیلا پن معلوم ہو سکتا ہے۔"

ایک شاعر صاحب: "تو مضائقہ کیا ہے شاعرانہ خیالات ہی ظاہر فرمائیے۔"

ڈاکٹر: "میں شاعر نہیں ہوں۔" نواب صاحب نے دل ہی دل میں اندازہ کر لیا کہ ڈاکٹر صاحب نے میرے ایک کلمہ کو برداشت کر لیا۔ لہٰذا جرأت بڑھی اور ارادہ کیا کہ اس سے بھی زیادہ ان کا غرور توڑا جائے۔ اس نوابی صحبت کی مدت سے یہ وضع چلی آتی ہے کہ مہذب و شائستہ آدمیوں کو رفتہ رفتہ غیر مہذب اور اس قدر متحمل بنا دیا جاتا ہے کہ وہ ہر طرح کی بے عزتی کو گوارا کر کے پورے بے غیرت بن جاتے ہیں۔ اسی اثناء میں ڈاکٹر صاحب نے چپکے سے جیب سے ایک گلوری نکال کے منہ میں رکھی اور ادھر ادھر دیکھا کہ کسی نے دیکھ تو نہیں لیا۔ نواب صاحب نے ان کی یہ حرکت دیکھ لی تھی۔ ایک مصاحب کی طرف آنکھ ماری اور اس نے کہا: "ڈاکٹر صاحب یہ اکیلے ہی اکیلے؟" ڈاکٹر صاحب نے کہا: "آپ کو بھی شوق ہو تو پیش کروں؟" جواب ملا "ضرور!" ڈاکٹر صاحب نے جیب سے دوسری گلوری نکالی۔ مگر جن صاحب نے مانگی تھی ذرا فاصلے پر تھے۔ ہمارے ڈاکٹر صاحب کو بے تکلفی کی وجہ سے اس کی ضرورت نہ معلوم ہوئی کہ کسی چوبدار کو بلا کے اُس کے ہاتھ بھجوائیں۔ اپنے موٹاپے کی وجہ سے یہ بنا نہیں کہ خود اٹھ کے اُن کے پاس جائیں۔ زمین پر ہاتھ ٹیک کے جھکے۔ اور گلوری دینے کے لئے گھٹنوں گھٹنوں ان کی طرف چلے۔ چوپایوں کی طرح دو ہی قدم گئے ہوں گے کہ نواب صاحب نے اپنی مسند پر سے جست کی بغیر معمولی پھرتی سے ڈاکٹر صاحب کی پیٹھ پر سوار ہو گئے۔ اور ایڑیں مار مار کے زبان سے ٹخ ٹخ

کرنے لگے۔ پھر ایک چوبدار کی طرف دیکھ کے "چابک لانا چابک" فوراً چابک آ گیا۔ اور دو چار چابکیں ڈاکٹر صاحب کے سر کانوں۔ اور گالوں پر پڑ گئے۔ غرض کچھ دیر تک یہ حالت رہی کہ ڈاکٹر صاحب حسرت ناک خاموشی و مجبوری سے گھوڑے بنے ہوئے ہیں۔ نواب ان کی پیٹھ پر سوار چابک پھٹکار رہے ہیں۔ اور سارا دربار قہقہے لگا رہا ہے۔ آخر نواب یہ کہتے ہوئے اترے کہ پھر کبھی میرے دربار میں ایسی بدتمیزی کی حرکت نہ کرنا۔" ڈاکٹر بے چارے کی یہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہ تھا آہستہ سے عرض کیا "حضور نے میرے ساتھ وہ برتاؤ نہیں کیا جو رئیس اپنے معالج طبیبوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔"

نواب: "تم کو طبیب کون کہتا ہے؟ طبیب یونانی حکیم ہوتے ہیں۔ میرا ہی علاج تم سے نہیں ہو سکتا۔"

ڈاکٹر صاحب: "حضور نے دو دن بھی میرا علاج کیا ہوتا تو معلوم ہوتا کہ میں علاج کر سکتا ہوں یا نہیں"

نواب: "میرے مرض کی دوا ڈاکٹروں کے پاس ہے ہی نہیں ہے۔ آزمانے کو آزمانا حماقت ہے۔"

ڈاکٹر صاحب: "خیر حضور کا نہ سہی۔ میں انھیں چند روز میں سیکڑوں آدمیوں کا علاج کر چکا ہوں۔ اور خدا نے سب کو شفا دی۔ میری یہ پبلک خدمت کیا قدر دانی کی مستحق نہیں ہے؟"

نواب: "میں نے تمھیں اپنے لئے بلایا ہے یا ایرا غیرا بچکلیاں کے لئے؟ تم لاکھ آدمیوں کی دوا کرو میرے کام کے نہیں تو ٹکے کے آدمی ہو۔"

اس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے سر جھکا لیا۔ دل میں سوچنے لگے کہ "یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ جس قدر جلد ہو سکے چلنے کا سامان کرنا چاہئے۔ ادھر نواب صاحب نے دل میں کہا "ڈاکٹر اتنی کھا بدا ہے تو اس سے زیادہ بھی برداشت کرے جائے گا۔ اب مناسب یہ ہے کہ اس وقت تھوڑی سی استمالت اور اشک شوئی بھی کر دی جائے۔" یکایک ایک ٹھٹھا مار کے مصاحبوں سے کہا "بھئی، ڈاکٹر صاحب خفا ہو گئے۔ خبردار اب کوئی کچھ نہ کہے۔" پھر ڈاکٹر صاحب کی طرف متوجہ ہو کے

فرمایا: "یہ تو بے تکلفی اور دل لگی کی باتیں ہیں ان کا برا ماننا بھی کیا؟ مجھے تکلف اور چناں چنیں سے نفرت ہے۔ میں صاف آدمی ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری صحبت میں جتنے لوگ رہیں سب سے بے تکلفی رہے۔" ڈاکٹر صاحب نے اس کا کچھ جواب نہ دیا تو تمام مصاحبین پیچھے پڑ گئے۔ اور سبھوں نے قصور معاف کرا کے قسمیں دلانا شروع کیں اور یہاں تک مجبور کیا کہ ڈاکٹر صاحب کو صاف دلی کا اظہار و اقرار کرنا پڑا۔

اس وقت معمر سن رسیدہ فارن سکریٹری ملک حیدر خاں نواب کے قریب کھڑے تھے۔ اگرچہ رشتہ میں نانا ہوتے ہیں مگر بے تکلفی کی صحبت میں ان سے دھول دھپا ہوا کرتا ہے۔ اور کبھی انکی لنگی کھلوا ڈالی جاتی تھی۔ نواب نے لپک کے ان کا کان پکڑ لیا۔ اور فرمایا "تم نے بہت باتوں کے وعدے کئے تھے۔ مگر آج تک پوری ایک بھی نہ ہوئی؟"

ملک حیدر خاں: "غلام غافل نہیں ہے۔ کارروائی کر رہا ہے۔ اور عنقریب کیفیت عرض کریگا لیکن اس وقت ایک خاص بات عرض کرنی ہے۔"

نواب: "کون سی بات؟ کیا اکیلے میں کہنے کی ہے؟ سب کو ہٹا دوں؟" یہ کہتے ہی کان کھینچ کے اُن کا سر اپنے قریب کر لیا۔

ملک حیدر خاں: (کان میں) "میں اس وقت حضوری میں ضیاء اللہ نام ایک نئے شخص کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جو قوم کا تو ڈوم یا ڈھاری ہے۔ مگر ظاہری صورت سے نہایت مہذب اور معزز و مقدس آدمی معلوم ہوتا ہے اس کے ساتھ انتہا درجے کا بامذاق اور لطیفہ گو ہے۔ اور زیادہ خوبی کی یہ بات ہے کہ اپنی ایک بھتیجی کو کب آرا کو جو حسن میں لاجواب اور گانے ناچنے میں کمال رکھنے کے ساتھ پڑھی لکھی اور بہت ہی بامذاق ہے محل میں داخل کرنا چاہتا ہے۔"

نواب: "لے تو یہ پوشیدہ رکھنے کی کون سی بات تھی؟ لاؤ جلدی لا کے حاضر کرو۔ ایسے لوگوں کی قدر

نہ ہوگی تو کس کی ہوگی، اور میں تو اس قسم کے لوگوں کا عاشق ہوں۔"

یہ حکم پاتے ہی ملک حیدر خاں نے چوبدار بھیج کے ضیاء اللہ خان کو بلوایا جو باہر اجازت باریابی کا منتظر کھڑا تھا۔ جیسے ہی اُن کی صورت نظر آئی سارا دربار سناٹے میں آگیا، اور سب کی نگاہیں اُسی کی طرف اُٹھ گئیں۔

ضیاء اللہ خاں کی عمر کوئی ستر برس کی ہوگی، مگر چہرے پر بڑھاپے نے تقدس نورانیت اور بزرگانہ وقار کے سوا کسی قسم کی ناتوانی اور بدصورتی نہیں نمایاں کی تھی۔ سن رسیدگی سے جھریاں پڑنے کے بجائے چہرہ روشن اور سُرخ و سفید ہو گیا تھا۔ بوڑھے گورے چہرے کے اوپر خوب اُجلے عمامے اور نیچے دو بالشت کی کنگھی کی ہوئی براق ڈاڑھی نے ایک ایسی آن بان پیدا کر دی تھی جس کا دیکھنے والوں کے دل پر رعب پڑتا تھا۔

نواب صاحب اُن کی صورت دیکھتے ہی ذرا بھونچکا سے ہوئے۔ گھبرا کے ناناجان کا کان چھوڑ دیا۔ اور دل میں کہا "یہ جناب شیخ کہاں سے آگئے بھئی، خوب موقع ہاتھ آیا۔ بدنامی سے بچنے کی جو تدبیر میں نے سوچی تھی آج ہی پوری ہو جائے گی۔" اتنے میں ملک حیدر خاں نے کہا "حضور ان کی صورت پر نہ جائیے۔ ان کی خوبیوں اور حاضر جوابیوں کی تعریف نہیں ہو سکتی۔" اب ضیاء اللہ خان قریب آئے اور جھکسے کے آداب بجالائے۔ پھر ملک حیدر خاں کی طرف دیکھ کے کہا "مگر اسکو کیا کروں کہ میں نے فقط صورت مولویوں کی سی پائی ہے۔"

نواب: "اہاہاہا! خوب جواب دیا۔ واقعی آپ نے عجب لطف کی صورت پائی ہے ذرا آگے آیئے۔" ضیاء اللہ خان دو قدم آگے بڑھ کے ادب سے کھڑے ہو گئے تو کہا "اے بھئی اور آگے آؤ۔ میں جب تک جی بھر کے تمھاری صورت نہ دیکھ لوں گا چین نہ آئے گا۔" ضیاء اللہ اور آگے بڑھے، اور نواب صاحب بولے "ابھی اور آگے آؤ۔" یہاں تک کہ ضیاء اللہ بڑھتے بڑھتے بالکل قریب پہونچ گئے۔ تب

نواب صاحب نے بہت ہی غور و توجہ سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اُن کی صورت دیکھی۔ ہاتھ لگا کے اُنکی ڈاڑھی کی آب و تاب اور چمک دمک پر غور کیا اور یکایک ایک بے اختیاری سے بولے "میں تو اس صورت کا عاشق ہوں۔ واللہ دل ہاتھوں سے جاتا رہا" یہ کہتے ہی ضیاءاللہ خاں کو کھینچ کے گود میں بٹھالیا۔ اور بلاتکلف لپٹا لپٹا کے پیار کرنے لگے۔ اب دربار کی عجیب حالت ہے۔ حاضرین کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑے جاتے ہیں۔ رہ رہ کے ہنسی کا مڑوڑا اٹھتا ہے۔ مگر کس کی مجال ہے کہ مسکرا بھی دے۔ سب خاموش اور دم بخود بیٹھے ہیں۔ ضیاءاللہ خاں کی یہ حالت کہ اندر ہی اندر کٹے جاتے ہیں۔ ساری حاضر جوابی رفوچکر ہو گئی۔ آنکھیں جھکی ہوئی ہیں۔ اور شرما شرما کے کوشش کرتے ہیں کہ نواب کے پنجۂ عشق سے چھوٹیں۔ مگر نواب کا یہ عالم ہے کہ زیادہ بھینچ بھینچ کے دباتے ہیں۔ ساعت بہ ساعت زیادہ۔ جو درد بے تاب ہو کے بوڑھے گالوں اور سرمگیں آنکھوں کے بوسے لیتے ہیں۔ دیر تک اسی مشغلے میں رہنے کے بعد نواب نے لالن کی طرف دیکھا جو اُن کی حرکتیں دیکھ دیکھ کے ناچنا گانا بھولی جاتی تھی۔ اور ہنسی کے دبانے کی ناقابل برداشت کوشش سے اس کے پیٹ میں درد ہونے لگا تھا۔ وہ زبان سے کچھ جواب نہیں دینے پائی تھی کہ نواب صاحب نے بیخودی کے لہجہ میں کہا "ایسا معشوق کبھی دیکھا تھا؟"

لالن: "حضور کبھی نہیں دیکھا تھا"

نواب: (ڈاکٹر صاحب سے) "ڈاکٹر صاحب عشق اسے کہتے ہیں میرا اور میری سلطنت کا عشق حقیقی بھی ہے میں اسی سوچ میں تھا کہ آج مجھے یہ بیٹھے بیٹھے آپ ہی آپ عشق کا خیال کیوں آ گیا؟ اب معلوم ہوا کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے معشوق آنے والا تھا پہلے ہی سے خبر ہو گئی" یہ کہتے ہی پھر بیتابانہ جوش کے ساتھ ضیاءاللہ خاں سے لپٹ گئے۔ اور اُن کے لب و رخسار اور ریش دراز کے ہزاروں بوسے لے ڈالے

اتنے میں نواب کی نظر لالن کے چہرے پر جا پڑی جو ظاہر میں تو بہت ہی روکھا منھ بنائے ہوئے تھی مگر ہنسی کے مارے بیتاب ہو ہو کے بل کھا رہی تھی کہنے لگے "اِن اتم میرے معشوق کو گھورتی ہو! خبردار

کوئی میرے معشوق کی طرف نہ دیکھے کسی نے ادھر نظر اٹھائی تو آنکھیں پھڑوا دوں گا۔" اتنا کہتے ہی پھر ضیاء اللہ خاں سے مصروف بوس و کنار ہو گئے۔ اور حاضرین کی طرف دیکھ کے کہا "یہ عشق حقیقی ہے کہ نہیں؟" سب نے ادب سے عرض کیا "بے شک عشق حقیقی ہے۔"

نواب: (چوبدار سے) "داروغہ توشہ خانے سے کہو کہ میرے معشوق کے لئے بھاری جوڑا اور زیور لے آئے جو اچھے سے اچھے معشوق کو زیب دے۔"

فوراً اطلس کا ایک پر تکلف قیمتی جوڑا اور کچھ ہار وغیرہ پیش کئے گئے۔ جوڑے کو دیکھتے ہی نواب بگڑ گئے۔ اور کہا "تم لوگوں کو تمیز نہ آئے گی! یہ عاشقوں کے پہننے کے کپڑے ہیں یا معشوقوں کے؟ اجی ان کے لئے گوٹے ٹھپے کے رنگین کپڑے لاؤ اور سونے کا مرصع زیور۔" زیور تو خیر محل کی عورتوں سے لے لیا گیا مگر گوٹا ٹھپا لگے مردانے کپڑے کہاں سے آتے؟ ایک مردانہ طائفہ جو سرکار میں نوکر تھا لوگ لپک کے اسکا ایک بھاری جوڑا لے آئے جو ضیاء اللہ خاں کے زیب تن کیا گیا۔ کامدار لال مندیل سر پر پہنائی گئی۔ اطلس کا پائجامہ جس کی گوٹ پر بنت ٹنکی تھی۔ اور زرد اطلس کے کرتے پر پھول دار سرخ اطلس کا انگرکھا جس میں گوٹ پر لچکا تھا پہنائے گئے۔ اور جب ضیاء اللہ خاں یہ معشوقانہ لباس پہن چکے تو نواب صاحب نے ان پر نگاہ شوق ڈال کے کہا "واہ واواہ! معشوق ہو تو ایسا ہو!" یہ کہہ کے پھر انھیں گود میں بٹھا لیا۔ اور اپنے ہاتھ سے اُن کی کلائیوں میں سونے کے کنگن۔ گلے میں سونے کی چمپا کلی۔ اور ہیکل پہنا کے پیار کرنے لگے۔

مصاحبین سمجھ رہے تھے کہ یہ بھی نواب کا ایک مسخرہ پن اور طفلانہ مذاق ہے تھوڑی دیر میں ختم ہو جائے گا۔ بار بار نواب صاحب کا منہ دیکھتے تھے کہ اس پر ہنسی نمودار ہو تو ہنسنا شروع کریں لیکن وہاں اس بلا کی متانت و محویت تھی کہ بعض بعض کو شبہ ہونے لگا شاید نواب صاحب سچ مچ اس پیر مرد پر عاشق ہو گئے ہیں۔ سارا دربار انھیں خیالات میں تھا کہ نواب اٹھ کھڑے ہوئے

اور ضیاء اللہ خان کو ہاتھ پکڑ کے خلوت۔ خاص میں لے چلے گئے۔ اب مصاحبین اور لاٹن ضبط مالا یطاق کے عذاب سے چھوٹے کے باہر آئے آتے ہی سب نے بے اختیار ہنسنا شروع کیا۔ اور ہنستے ہوئے اپنے گھروں کو سدھارے۔ گھر میں پہنچنے کے بعد بھی جب گھنٹوں ہنس لئے تب کہیں ضبط خندہ کی تکلیف رفع ہوئی۔

پانچواں باب

آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جواناں :۔ دیرینہ سال پیری بُردش بہ یک نگاہے

اب ہمارے زندہ دل نواب حرام پور کی یہ قطع ہے کہ بوڑھے ضیاء اللہ خان کے عاشق زار ہیں۔ کسی حسینہ کی زلف گرہ گیر نے کبھی کسی دلدادۂ عشق کے دل پر وہ اثر نہ کیا ہوگا جو بوڑھے معشوق کی ریش دراز مسند نشین حرام پور کے دل پر کر رہی ہے۔ نواب صاحب جہاں نظر آتے ہیں جلوت یا خلوت یہی تماشا نظر آتا ہے کہ ضیاء اللہ گوٹے ٹھپے کے کپڑے پہنے ہوئے پہلو میں بیٹھے ہیں بوس و کنار سے نواب صاحب کا دل کسی طرح بھرتا ہی نہیں دربار میں ہیں تو یہ عالم ہے کہ لوگوں سے دو باتیں کیں اور معشوق دیریں کے چار بوسے لے لئے۔ ایک آدھ بات کی اور پھر اُسی طرف متوجہ ہو گئے۔ باہر نکلتے ہیں تو ضیاء اللہ خان پہلو میں بیٹھے ہوتے ہیں اور بوس و کنار سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ کسی کی طرف دیکھیں یا کسی کا سلام لیں۔

سارے شہر میں مشہور رہے کہ نواب صاحب ایک پیر مرد پر عاشق ہو گئے اور ایسے عاشق کہ سوا اُس سے بوس و کنار کرنے کے کوئی کام کرتے ہی نہیں۔ جب سواری باہر نکلتی ہے تو اس عجیب و غریب عشق حقیقی کا تماشا دیکھنے کے لئے لوگوں کا ٹھٹھ لگ جاتا ہے۔ اور ہمارے نواب سوا عشق بازی کے اور کسی کام میں مصروف دیکھے ہی نہیں جاتے۔

سارے مصاحب عہدہ داران ریاست اور نازنینان حرم سناٹے میں ہیں اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔

اسی فکر اور سکوت میں ایک دن محل میں زنانی ڈیوڑھی پر نواب کے نانا ملک حیدر خان اور نئے پرائیوٹ سکریٹری کھڑے تھے کہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن آگئے اور ملک حیدر خان نے اُن کی طرف دیکھ کے سوال کیا: "کیوں ڈاکٹر صاحب یہ کیا معاملہ ہے؟ نواب صاحب کے اس عجیب و غریب عشق کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟"

ڈاکٹر: (ہنس کے) "یہ بھی نواب صاحب کی ایک دل لگی ہے۔ ضیاءاللہ خان کو بنا رہے ہیں۔"

ملک حیدر خان: "دل لگی اتنے دنوں تک قائم نہیں رہ سکتی۔"

ڈاکٹر: تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی مرض ہے؟ میرے خیال میں تو یہ بیماری نہیں مذاق ہی مذاق ہے"

پرائیوٹ سکریٹری: "ڈاکٹر صاحب یہ صرف مذاق تو نہیں ہو سکتا۔ سعداللہ کے ہاتھ سے زخمی ہونے کے بعد جب سے اچھے ہوئے ہیں، مزاج میں ایک سنک سی پیدا ہو گئی ہے۔ مذاق ہمیشہ کرتے تھے اور دربار میں ہنستے ہی گزرتی تھی۔ لیکن یہ کبھی نہ تھا کہ ایک بات اختیار کر لی تو اس سے باز نہیں آتے۔"

ڈاکٹر: "اگر بیماری ہے تو میں دعویٰ کرتا ہوں کہ دس پندرہ روز میں اچھا کر دوں گا مگر میرا علاج ہونے ہی کیوں لگا؟ علاج کیسا مجھے تو تشخیص مرض کا بھی موقعہ نہ دیا جائے گا۔"

اب بندی آ کے یہ باتیں سننے لگی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے خیالات سُن کے بولی: "اور آپ تشخیص کر کے کیا کریں گے؟ یہ بیماری نہ آپ کے بس کی ہے اور نہ حکیموں کے بس کی۔"

سکریٹری: (تعجب سے) "تو پھر کس کے بس کی ہے؟"

بندی: "اس کے لئے کوئی زبردست عامل چاہئے۔ سعداللہ ہمارے حضور کے سر پر سوار ہیں۔ اور وہی ان سے یہ حرکتیں کرا رہے ہیں جو کبھی دیکھی تھیں نہ سنی تھیں۔"

ملک حیدر خان: "ایک دفعہ تو عامل کے شوق میں یہ آفت ہو چکی ہے۔ اب کی لے جا کے خدا جانے کس عذاب میں پھنساؤ گی۔"

بندی: (بگڑ کے) "اے واہ! میرا نام نہ لیجیے گا۔ کسی اور نے سُن پایا تو میرا سر ہی منڈ جائے گا۔ نواب صاحب اپنے شوق سے گئے۔ میں گنہگار ہوں تو اتنی بات کی کہ ایک عامل کا نام سنا تھا بتا دیا۔ اب مجھ نگوڑی کو کیا خبر تھی کہ وہ موا سعد اللہ نکلے گا؟"

سکریٹری: (مسکرا کے) "کوئی بگڑنے کی بات نہیں ہے۔ کہنے کو تو لوگ کہیں گے مگر تم ہی کہو کہ تم نہیں لے گئیں تو اور کون لے گیا تھا؟ اور جب تم لے گئی تھیں تو تمھارا ہی یہ کام بھی ہے کہ کسی عامل کو لا کے انھیں اچھا کرو۔"

بندی: "میں گھر کی بیٹھنے والی مجھے کیا خبر کہ کون کہاں رہتا ہے؟ آپ ہی پتہ لگائیے۔ شہر میں بہت سے مُلّا سیانے پڑے ہیں۔"

سکریٹری: "خیر جو کچھ ہو مگر یہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھنے کا معاملہ نہیں ہے ڈاکٹر صاحب علاج کریں یا حکیم صاحب یا کوئی عامل نواب صاحب اتنے بیوقوف نہیں ہیں کہ ایک پیر فانی کی صورت پر عاشق ہو جائیں۔"

بندی: "اے تو نواب صاحب جب اپنے آپے میں ہوں؟ یہ کوئی اور ہی ہے۔"

ڈاکٹر: "میں ان باتوں کا قائل نہیں۔ اور کون ہوتا؟ یہ بیماری ہے۔ سعد اللہ کے خوف سے سہمے ہوئے ہیں اور اسی خوف نے دماغ بگاڑ دیا ہے۔"

ملک حیدر خان: "اچھا تو میں آج پتہ لگاؤں گا کہ نواب صاحب کا یہ مذاق ہے یا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

لوگوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ چوبداروں میں نواب صاحب کے برآمد ہونے کا غلغلہ بلند ہوا۔ بندی سنتے ہی زنانے میں ہو رہی اور ہمارے زندہ دل نواب صاحب ضیاء اللہ خاں کے

گلے میں داہنا ہاتھ ڈالے اور ان کو بار بار لپٹا کے پیار کرتے ہوئے برآمد ہوئے۔ نقیب نے "آداب بجالاؤ!" کا نعرہ بلند کیا اور تمام حاضرین جھک جھک کے آداب بجالائے مصاحبوں کو دیکھ کے نواب ٹھہر گئے۔ اور پرایویٹ سکریٹری کی طرف دیکھ کے کہا: "بھئی سنتے ہو، اب تو میرا ارادہ ہے کہ معشوقوں کی تلاش میں جتنے محکمے قائم ہیں سب تخفیف کر دیئے جائیں۔ جس کو (ضیاء اللہ خاں کا ایک بوسہ لے کے) ایسا دل ربا معشوق ہاتھ آگیا ہو اسے کسی اور معشوق کے تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

سکریٹری: "جو حضور کا حکم ہو!"

نواب: "یہ سب روپیہ بیکار ہی برباد ہو رہا ہے۔ تمام شہروں میں اس کام پر ہزاروں آدمی مقرر ہیں۔ شہر ہی میں گھر گھر پھرنے اور سُراغ لگانے والی ہزاروں عورتیں ہیں بہت سے مدارس نسواں اسی ضرورت سے الگ کھولے گئے ہیں۔ یہ سب بیکار ہی تو ہے؟"

سکریٹری: "جب حضور کو شوق نہ رہا تو بے شک بے کار ہے۔"

نواب: "محل میں ہزاروں عورتیں بھری ہوئی ہیں جن پر مفت لاکھوں روپیہ غارت ہو رہا ہے۔ جب مجھے محل سے سروکار ہی نہیں رہا تو پھر اس کی کیا ضرورت باقی رہی؟ اب ارادہ ہے کہ ان سب عورتوں کو طلاق دیکے نکالدوں مجھے تو بس اپنا یہ معشوق چاہیئے۔" یہ کہا اور ضیاء اللہ خاں سے پھر اختلاط شروع ہو گیا۔

ان سب باتوں کو سن کے اور سب تو خاموش ہو رہے۔ مگر ملک حیدر خاں نے دل میں کہا "یہ تو برا ہوا! نواب صاحب کے دل سے اگر یہ شوق جاتا رہا تو پھر محل میں خاک اڑنے لگے گی۔ ہزاروں زن و مرد کی روزی میں فرق آئے گا۔ اور میں تو موقوف رکھا ہی ہوں میرے خیال میں تو نواب صاحب کو اس آفت سے بچانا ثواب کا کام ہے۔ کوئی امر

کیسا ہی برا ہو اور اس سے چاہے کیسے ہی نتیجے پیدا ہوتے ہوں اگر اس میں خلق خدا کا نقصان ہو تو اسے جہاں تک بنے مٹانا ہی چاہئے۔ اور میرے عقیدے میں تو خدا اور رسولؐ کی خوشنودی بھی اسی میں ہے۔ لیکن کیا کیا جائے؟ اور سب سے بڑی بدنامی کی یہ بات ہے کہ مجھ ہی کمبخت نے لا کے اس متبرک صورت والے ڈاڑھی باز کو ملایا تھا اندر باہر تمام لوگ میری ہی جان کو روئیں گے اور مجھی کو پانی پی پی کے کوسیں گے۔ اصل تو یہ ہے کہ اگر میں نے یہ آفت پیدا کی ہے تو اس کا مٹانا بھی میرا ہی کام ہے۔ ضیاءاللہ کہیں الگ ملتا تو میں اُسے سمجھا دیتا اور اسی کے ذریعہ سے اس آفت کو دور کرتا۔ مگر قیامت تو یہ ہے کہ دن ہو یا رات نواب اُسے کسی وقت چھوڑتے ہی نہیں بات کیسی اس سے اشارہ کرنے کا بھی تو موقع نہیں ملتا۔ اُس کی بھی جان عذاب میں ہے ایک طرف تو اس ذلّت و رسوائی سے دل ہی دل میں کٹا جاتا ہے کہ اس بڑھاپے میں نواب صاحب کا معشوق بنا۔ اور سب لوگوں کو دکھا دکھا کے اس کی عزت لی جاتی ہے۔ اسکے علاوہ جس وقت یہاں آیا تھا وہ گھڑی ہے اور آج کی گھڑی نہ اپنے گھر جانے پایا ہے نہ اپنا کوئی کام کرنے کی مہلت ملی ہے۔ نہ بیوی بچوں سے ملا ہے نہ دوستوں کی صورت دیکھی ہے وہ تو خود ہی چاہتا ہو گا کہ کسی طرح اس عذاب سے چھوٹے۔ اچھا خیر دیکھو میں کوشش کرتا ہوں چاہے کچھ ہو جائے میں تو اپنی سی کر لوں گا۔" دل میں یہ منصوبہ ٹھہراتے ہی دو قدم بڑھے اور ادب سے عرض کیا۔ "جان کی امان پاؤں تو دو باتیں عرض کروں؟"

نواب: "ضروری باتیں ہیں؟"

ملک حیدر خان: "حضور ضروری اور نہایت ضروری۔"

نواب: "اور راز کی؟"

ملک حیدر: "نہایت ہی راز کی۔ ایسی راز کی باتیں کہ حضور حکم بھی دیں تو غلام اُنہیں

کسی اور کے سامنے نہ عرض کرے گا"۔

نواب: "تو بھئی مجھ سے اپنے معشوق جان نواز کی مفارقت تو نہ گوارا کی جائے گی"۔ سب باتیں ہو سکتی ہیں مگر ہجر کا ایک لمحہ برداشت کر سکوں مجھ میں تاب نہیں"۔

ملک حیدر: "تو پھر غلام عرض ہی نہ کرے گا لیکن حضور کو یہ معلوم رہے کہ وہ بہت ضروری اور اہم باتیں ہیں اور تاخیر میں اندیشہ ہے کہ حضور ناراض نہ ہوں"۔

نواب: "تو تم میرے اس معشوق دل نواز کے سامنے ہی کیوں نہیں کہہ دیتے۔ اس سے میرا کون سا راز چھپا ہے"؟

ملک حیدر: "اس بارے میں تو غلام حضور کا کہنا نہ مانے گا"۔

آخر مجبور اور عاجز ہو کے نواب نے ضیاء اللہ خان کو لپٹ کے خوب پیار کیا پھر اُس سے ایک گھڑی کے لئے رخصت ہو کے الگ کمرے میں گئے اور فرمایا "جو کچھ کہنا ہو جلدی کہو"۔

ملک حیدر: "اُن ضروری باتوں کے عرض کرنے سے پہلے حضور سے غلام یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ حضور کو ضیاء اللہ کے ساتھ سچ مچ عشق ہے یا یہ حضور مذاق کر رہے ہیں"۔

نواب: "مذاق کیسا، میں سچ مچ عاشق ہوں"۔

ملک حیدر: (روکھا منہ بنا کے) "مجھے تو یقین نہیں آتا"۔

نواب: (حیرت سے) "یقین نہ آنے کی وجہ"؟

ملک حیدر: "وجہ یہ ہے کہ جسے کسی کے ساتھ عشق ہوتا ہے اُس کی آرزوؤں کو وہ سب سے پہلے پورا کیا کرتا ہے۔ اور حضور کو اپنے معشوق کی آرزو کا ذرا بھی خیال نہیں"۔

نواب: (کمال توجہ سے) "اس نے کون سی آرزو ظاہر کی جسے میں نے پورا نہیں کیا"؟

ملک حیدر: وہ مارے شرم کے کچھ زبان سے نہیں کہتا۔ اور حضور خیال نہیں فرماتے؟"
نواب: "آخر کچھ بتاؤ گے بھی کہ اس کی کیا آرزو ہے؟"
ملک حیدر: "اس کی آرزو یہ ہے کہ اس کی بیٹی کوکب آرا کو حضور اپنے حرم میں داخل فرمائیں۔"
نواب: "ہاں تم نے کہا تھا۔ لیکن جب میں خود اُس پر عاشق ہوں تو اس کی بیٹی میری بیٹی ہوئی۔"
ملک حیدر: "ہوا کرے۔ یہ تو پرانے لوگوں اور مولویوں کی باتیں ہیں۔ بادشاہ اور امیر ایسے مسئلوں کا بھی کبھی خیال کیا کرتے ہیں؟ اور ہماری سرکار میں تو کبھی اس کی پرواہ ہی نہیں کی گئی۔ جب بیسیوں ایسے واقعے موجود ہیں تو ضیاء اللہ نہ کہیں گے کہ اس مسئلہ کا خیال اور کبھی نہ کیا گیا؟"
نواب: (لاجواب ہو کے) "بھئی سچ تو یہ ہے مگر دیکھو کسی سے کہہ نہ دینا کہ عورتوں سے میرا دل بھر سا گیا ہے۔ یہ فوج کی فوج محل میں بھری ہوئی ہے یہ بھی بے کار ہی نظر آتی ہے۔"
ملک حیدر: "تو کیا یہ باہر کی آمد اور روزانہ نئی بھرتی کا جو سلسلہ جاری ہے بند کر دیا جائے گا؟"
نواب: "جی تو یہی چاہتا ہے۔ مگر نہیں میں نے اپنی وضع بدلی تو حلال نگر کے بعض دشمنوں کے بہکانے سے میری رعایا بھی کہنے لگے گی کہ میں اُن لوگوں سے دب گیا جو مشہور ہو رہا ہے کہ میں بے کار ہو گیا ہوں سچ ہے۔ ایسا خیال ہرگز نہ پیدا ہونا چاہیے۔"
ملک حیدر: (دل میں ہنس کے) تو جب عورتوں کے داخل ہونے کا سلسلہ برابر جاری رہے گا اور ایک صرف ضیاء اللہ کی بیٹی نہ قبول کی جائے گی تو وہ اپنے دل میں کیا کہے گا؟"
نواب: (گھبرا کے) "آج کل کے حالات ایسے ہیں کہ مجھ سے کچھ کرتے دھرتے نہیں بنتا۔ اچھا اُس

لڑکی کو آج شام کو بلوا لینا۔"

چھٹا باب

کوئی تاپے ـــ کسی کا گھر جلے!

کوکب آرا کے حکم دیتے ہی نواب صاحب اپنے پیرانہ سال معشوق کے پاس جانے کے لئے مڑے تھے کہ ملک حیدر نے کہا: "حضور، وہ ضروری باتیں تو سُن لیں جن کے لئے غلام نے یہاں آنے کی زحمت دی ہے۔"

نواب: "ہاں، مجھے خیال نہیں رہا۔ کہو کیا کہتے ہو۔"

ملک حیدر: "دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ضیاء اللہ! حضور کے عاشق ہونے کی خبر سارے شہر میں مشہور ہوتے ہوتے باہر تک پہونچ گئی۔ یہاں تک کہ صاحبان عالیشان کے بھی گوش گزار ہو گیا۔ اور انھوں نے غلام سے بالکل پرائیوٹ طور پر دریافت کیا ہے۔ اور سنتا ہوں ـــ کہ خارجی ذریعوں سے بھی وہ تفتیش کر رہے ہیں۔ اس لئے غلام یہ تو نہیں عرض کر سکتا کہ حضور اس عشق سے باز آجائیں۔ لیکن یہ رات دن کا خلا ملا اچھا نہیں دربار کے معمولی اوقات میں یا بعض خاص صحبتوں میں اُن سے مل لیا کریں۔"

نواب: "صاحب عالی شان ہوں یا کوئی اور۔ انھیں میرے ذاتی معاملات سے کیا تعلق؟"

ملک حیدر: "تعلق تو نہیں ہے مگر یہ بدنامی کی بات تو ہے؛ اگر انھوں نے رپورٹ کر دی کہ لکھنؤ کے واجد علی شاہ جس طرح رات دن ڈوم ڈھاڑیوں میں رہا کرتے تھے ہمارے حضور بھی رہا کرتے ہیں تو بُرا ہو گا۔"

نواب: "میں ایسی رپورٹوں سے بھی نہیں ڈرتا۔ جب لاٹ صاحب سے ذکر آئے گا۔

جواب دے لوں گا۔"

ملک حیدر: "حضور کو اختیار ہے۔ لیکن ان باتوں کی شہرت اچھی نہیں۔ غلام کے نزدیک تو مناسب ہے کہ ضیاء اللہ کو اب حضور اپنے گھر ہو آنے کی اجازت دیں اور وقتاً فوقتاً مل لیا کریں۔"

نواب: "میں کسی سے ڈرتا نہیں ہوں۔ لیکن تمھاری خاطر سے تمھاری صلاح قبول کئے لیتا ہوں۔"

اس عزت افزائی پر ملک حیدر خان جھک کے آداب بجالائے۔ اور ادب سے نذر دکھائی۔ جس پر نواب صاحب نے مسکرا کے ہاتھ رکھ دیا۔

ملک حیدر: (ہاتھ جوڑ کے) "جہاں حضور نے اتنی عزت افزائی کی ہے وہاں غلام کی یہ بات بھی مان لیں کہ عورتوں کی طرف سے بے رخی کرنے اور حسینوں کی آمد بند کرنے کا ہرگز ارادہ نہ فرمائیں۔ لوگوں میں حضور کی نسبت جن امور کی شہرت ہو رہی ہے۔ اُن کے مٹانے کا اس کے سوا کوئی علاج ہی نہیں ہے۔ اصل میں چاہے کچھ ہو اور امید ہے کہ حکیموں ڈاکٹروں بیدوں یا عالموں کے ذریعہ سے یہ شکایت خدا نے چاہا تو رفع ہو جائے گی۔ لیکن ظاہر میں حضور کی وضع میں فرق نہ آنا چاہئے۔ ہندوستان کے مشہور شہروں اور خاص حرام پور سے گل چہرہ و نازک اندام حسینوں کی آمد کا جو سلسلہ ہے اور جو طریقہ معشوقوں کی باریابی و سرفرازی کا جاری ہے وہ بدستور جاری رہے۔"

نواب: "میری تو خود یہی رائے ہے۔ لیکن اب تم نے تنہائی میں اس معاملہ کو چھیڑا ہے تو میں تم سے اپنے دل کی اصلی حالت بیان کئے دیتا ہوں۔ اگرچہ جانتا ہوں کہ مصلحت یہی ہے کہ حسین لڑکیوں کے آنے کا سلسلہ نہ رُکے اور لوگوں کو میری وضع و حالت میں کوئی فرق نہ نظر آئے۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ مجھے خلوت میں عورتوں سے ملتے شرم آتی ہے یوں دربار میں چاہے جو کچھ کہہ سُن لوں مگر جب اکیلا ہوتا ہوں تو مارے ندامت کے انکی طرف

آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھا جاتا۔ حکیم صاحب کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ عطائیوں کے بھی بہت سے نسخے استعمال کئے۔ اشتہاری دوا فروشوں سے بھی دوائیں منگوا کے آزمائیں مگر سب بے کار ثابت ہوئیں۔ خیال تھا کہ عاملوں کی مدد اور بزرگوں کی دعا سے کام نکل جائے گا۔ اس کا یہ حشر ہوا کہ جینے کے لالے پڑ گئے تھے۔ ایسی حالت میں تم ہی بتاؤ میں کیا کروں عورتوں کی صحبت سے دور رہنے کا ایک بہانہ پیدا کرنے ہی کے لئے میں ایک پیر ہفتاد سالہ کا عاشق بن گیا، تاکہ لوگ سمجھیں عورتیں کی طرف سے بے رُخی کرنے کا سبب کوئی مرض یا کسی قسم کی کمزوری نہیں بلکہ ایک خاص قسم کا مجنونانہ جوش ہے۔ ورنہ کیا میں سمجھتا نہیں ہوں کہ یہ ایک طرح کی بیہودگی ہے؟"

ملک حیدر: غلام کا خود بھی خیال تھا کہ حضور نے اپنے اس عجیب و غریب عشق کے ذریعہ سے صحبت میں ایک طرح کی زندہ دلی و خوش مذاقی پیدا کر دی ہے۔ لیکن ایسی باتوں کو محل کے اندر یا فقط دربار خاص تک محدود رہنا چاہیئے۔ دربار عام میں یا اس وقت جب سڑکوں پر سواری گزر رہی ہو ضیار اللہ سے اختلاط کرنا تو ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔"

نواب: "اس میں میری یہ مصلحت ہے کہ عوام الناس کو بھی معلوم ہو جائے کہ میں عشق کی دنیا میں ناکارہ نہیں مجنوں ہوں۔"

ملک حیدر: "یہ فائدہ تو حاصل ہو گیا۔ لیکن برابر اسی مشغلہ کا جاری رہنا لوگوں میں زیادہ برے خیالات پیدا کرے گا۔"

نواب: "اچھا تو تم کیا چاہتے ہو؟"

ملک حیدر: "غلام بس اس قدر چاہتا ہے کہ حسینوں کی طرف سرکار کی جو توجہ اوّل سے تھی ظاہر میں بدستور قائم رہے۔"

نواب: تو میں نے کب یہ حکم دیا کہ یہ سلسلہ بند کیا جائے؟ محل میں عورتوں کی آمد اس وقت تک برابر جاری ہی ہے۔ رہا یہ کہ میرا ارادہ اس کے روکنے یا کم کرنے کا تھا تو اب کہتا ہوں کہ تمھارے کہنے کے بموجب نہ روکوں گا۔"

ملک حیدر: اسی قدر نہیں۔ فی الحال دو چار ایسے واقعے ہوں کہ لوگ سمجھیں حضور استقلال کے ساتھ حُسن کی قدر دانی فرما رہے ہیں۔"

نواب: "خیر تو اس کے لئے جو کہو کرنے کو تیار ہوں۔"

ملک حیدر: "اول تو حضور ضیا راللہ کی بیٹی کوکب آرا کے ساتھ قاعدے سے شادی کریں۔ دھوم دھام سے دولھا بن کے جائیں اور تزک واحتشام سے بیاہ لائیں۔ بازار میں برات نکلے گی اور حضور دولھا بنے اور سہرا باندھے ہوئے ہاتھی پر سوار نظر آئیں گے تو لوگوں کے دل سے یہ خیال دور ہو گا کہ حضور کی قوت میں کسی قسم کا فرق آیا ہے۔"

نواب: "مجھے خوشی سے منظور ہے۔ مگر دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ کوکب آرا کو آج ہی دن کو مجھے لا کے دکھا دو۔ اور دوسرے میں دولھا بنوں گا۔ برات لے جاؤں گا۔ اور سب باتیں کروں گا مگر شرعی نکاح نہ پڑھواؤں گا۔"

ملک حیدر: "کوئی مضائقہ نہیں نکاح ہو یا نہ ہو حضور دولھا بن کے رخصت کرا لائیں۔ تاکہ عوام الناس کے خیالات درست ہوں۔ رہا کوکب آرا کا آنا تو اس حکم کی تعمیل اسی وقت ہو جائیگی حضور ضیا راللہ کو اتنی دیر کے لئے چھوڑ دیں کہ میرے ساتھ جا کے بیٹی کو سوار کرا لاتے۔"

نواب: "منظور! کچھ اور بھی کہنا ہے؟"

ملک حیدر: "ایک بات اور ہے جس غرض کیلئے غلام نے یہ شادی تجویز کی ہے اُسکے واسطے اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ پبلک کو اطمینان دلانے کیلئے اسی قسم کا کوئی اور واقعہ بھی ہونا چاہئے۔"

نواب: "جو کچھ تم نے سوچا ہو بیان کرو۔"

ملک حیدر: "مجھے اپنی اُن جاسوس عورتوں سے جو حسینوں کی تلاش میں گھر گھر پھرا کرتی ہیں پتہ لگا ہے کہ یہاں شہر ہی میں ایک کشمیری مولوی صاحب ہیں جو باہر سے نوکر ہو کے آئے ہیں۔ سرکاری مدرسہ میں پڑھاتے ہیں۔ اور مولوی حمد اللہ نام ہے۔ اُن کی ایک چودہ برس کے سن و سال کی نازک اندام اور پری جمال بیٹی ہے۔ زینب جس کے حُسن کا سارے شہر میں شہرہ ہو رہا ہے۔ اور بڑی بڑی تجربہ کار اور معتبر عورتیں کہتی ہیں کہ حرام پوری نہیں سارے ہندوستان میں اس کا جواب نہیں۔ ہر گھر میں اس کی خوب صورتی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اور ہر شخص کی زبان پر اس کا نام ہے۔ غلام کے نزدیک اس لڑکی کو حضور کے محل میں ضرور داخل ہونا چاہیئے اگر حضور نے اُسے بلوا کے رکھ لیا تو شہر میں فوراً شہرت ہو جائے گی۔ اور لوگوں کے دلوں میں جو شکوک پیدا ہو رہے ہیں جاتے رہیں گے۔"

نواب: "اگر ایسی ہی حسینہ ہے جیسی تم بتاتے ہو تو ضرورت ہو یا نہ ہو اُسے میرے محل میں ضرور داخل ہونا چاہیئے۔ اور نہیں تو اس کی صورت ہی دیکھ کے اپنا دل خوش کر لیا کروں گا۔ مگر اُس کے حاصل کرنے کی کیا صورت ہو گی؟ مولوی حمد اللہ میرے ساتھ نکاح کر دیں گے؟ اس کی امید ہو تو انھیں پیام دیا جائے۔"

ملک حیدر: "خداوند یہ غیر ممکن ہے۔ بڑا خشک اور "قل اعوذیا" مولوی ہے۔ کوئی اس کے سامنے اس بات کا نام بھی لے تو صورت سے بے زار اور خون کا

پیاسا ہو جائے گا۔"

نواب: "پھر کیا تدبیر کی جائے ؟"

ملک حیدر: "حضور سے بہتر تدبیر کون بتا سکتا ہے ؟ بھلا اور کسی کی عقل حضور کی عقل کو پہونچ سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں۔"

نواب: "اچھا تو ایک تدبیر کرو۔ بھئی واللہ کیا بات خیال میں آئی ہے۔ جی چاہتا ہے اپنی عقل پر قربان ہو جاؤں۔ ضیاء اللہ خان پر بھی مجھے کچھ احسان کرنا ہے۔ اپنا معشوق بنایا ہے تو کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے۔ ضیاء اللہ خان سے کہہ دو کہ مولوی حمد اللہ پر اپنی بہن کے بھگا لے جانے کا دعویٰ کریں۔ بس اس مضمون کی ایک درخواست اُن سے لکھوا کے لے لی جائے کہ مولوی حمد اللہ کی بی بی اصل میں میری بہن ہے۔ یہ اُسے بھگا لے گئے اس لیئے وہ مجھے دلا دی جائیں۔ میں فوراً ڈگری دے دوں گا۔ ساتھ ہی اُن کی بی بی مع بچّوں کے ضبط کر لی جائے گی۔ زینب کو تم میرے یہاں پہونچا دینا۔ اور اس کی ماں اور جو لڑکے ہوں سب ضیاء اللہ خان کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ کیوں ؟ ہے نہ معقول تدبیر؟"

ملک حیدر: "بہت ہی اعلیٰ درجہ کی۔ غلام نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ حضور سے بہتر تدبیر کوئی نہیں بتا سکتا۔"

نواب: "اگلے زمانے میں بادشاہ جس سے خوش ہوتے اُسے خوب صورت لونڈیاں اور خوشرو غلام عطا کیا کرتے تھے۔ مگر اب انگریزوں نے لونڈی غلام کا بیج ہی مار دیا۔ بادشاہ ہوں یا امیر کسی کو نصیب نہیں۔ لیکن

میں نے اس روگ کے دور کرنے کی کیسی معقول تدبیر نکال لی ؟"

ملک حیدر: "حضور ظل اللہ ہیں ۔ اگر حضور ایسی تجویزیں نہ سوچیں گے تو پھر ہم لوگوں کی پرورش کیسے ہوگی ؟"

نواب: "زینب کے سوا مولوی حمد اللہ کے اور کے لڑکے ہیں ؟"

ملک حیدر: "ایک لڑکا ہے کوئی دس برس کا ۔ اور سات آٹھ برس کی ایک چھوٹی لڑکی ہے ۔"

نواب: "یقین ہے کہ زینب کی طرح اُس کی ماں بہن بھائی بھی خوب صورت ہوں گے ۔"

ملک حیدر: "حضور سب خوب صورت ہیں گھر کا گھر پری زاد ہے ۔"

نواب: "تو ضیاء اللہ کے ساتھ اس سے اچھا سلوک کیا ہو سکتا ہے کہ مفت میں ایک حسین عورت گھر کا کام کرنے کو مل جائے گی ۔ اور اُس کے علاوہ اور دو خوب صورت لونڈی غلام ملیں گے جنھیں چاہیں معشوق بنائیں چاہیں خادم ؛ تو بس اُن سے اسی وقت درخواست لے لو ۔"

ملک حیدر: "مگر حضور خود ہی ضیاء اللہ کو سمجھا دیں ۔ میرے کہنے سے شاید انھیں تامل ہو ۔"

نواب: "میں ابھی سمجھائے دیتا ہوں ۔" فوراً حکم ہوا کہ "میرے معشوق ضیاء اللہ خان کو لے آؤ ۔" زبان سے نکلنے کی دیر تھی ضیاء اللہ گوٹے ٹھپے کے شنگرفی کپڑے پہنے اور کام دار ٹوپی سر پر جمائے ہوئے آ پہونچے ۔ جن کی ابتدائی ندامت اب کم ہونے لگی تھی یا یوں کہئے کہ پانی مرنے لگا تھا ۔ نواب صاحب نے صورت

دیکھتے ہی پہلے تو حسب عادت اختلاط کیا۔ دو چار بوسے لئے۔ پھر کہا "میں آج تمھیں ایک ساتھ دو دو سرفرازیاں عطا کرنا چاہتا ہوں۔ ضیار اللہ سُن کے خوشی کے ساتھ شکر گزاری کا آواب بجالائے۔ اور نواب صاحب نے پھر سلسلۂ کلام شروع کیا "پہلی سرفرازی تو یہ ہے کہ تمھاری کوکب آرا کو آج ہی میں اپنا محل بناؤں گا۔ اور صرف معمولی طور پر نہیں۔ بلکہ دولھا بن کے اور سہرا باندھ کے پورے جلوس کے ساتھ برات لے کے آؤں گا۔ اور دولھن بنا کے لے جاؤں گا۔ تم خوش ہوئے؟"

ضیار اللہ: بہت ہی خوش۔ اس سے بڑی سرفرازی کیا ہو سکتی ہے؟"

نواب: "اور اُس کے عوض میں تمھیں ایک بہت ہی خوب صورت حسینہ و جمیلہ لونڈی کام کرنے کو اور ایک ایک پری زاد لونڈی غلام جو ابھی بہت ہی کمسن ہیں اس لئے عنایت کردوں گا کہ چاہو اُنھیں معشوق بناؤ چاہو لونڈی غلام سمجھو"

ضیار اللہ: "اس ذرہ نوازی اور پرورش کا شکریہ غلام کی زبان سے ادا نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک اشرفی جیب سے نکال کے نذر دکھائی۔ نواب صاحب نے نذر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور ضیار اللہ کو سمجھانے کے لئے الگ ہٹا لے گئے۔ ملک حیدر خاں کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا کہ نواب صاحب نے واپس آ کے کہا، میں نے انھیں سمجھا دیا ہے۔ لہٰذا ان سے اسی وقت درخواست لے کے مجھ سے حکم لکھوالو۔ پھر اسی وقت جا کے برات کا سامان شروع کر دو۔ ان دونوں حکموں کی تعمیل آج ہی ہو جائے۔ ضیار اللہ خاں بھی شادی کے بندوبست کے لئے

گھر جانا چاہتے ہیں (ضیاء اللہ سے) مگر دیکھو جلدی آنا تم جانتے ہو کہ مجھے تم سے کیسا عشق ہے۔ تمھارے فراق کی گھڑیاں خدا جانے کس تکلیف اور عذاب میں کٹیں گی" یہ کہتے ہی نواب صاحب عام مصاحبوں کے دربار میں چلے گئے۔ اور ملک حیدر خان نے ضیاء اللہ خان کی طرف سے اس مضمون کی درخواست لکھوائی کہ" مولوی حمد اللہ کی بی بی اصل میں میری بہن ہے جسے مولوی حمد اللہ اٹھارہ سال ہوئے بھگا لے گئے تھے۔ اور ایسے غائب ہوئے کہ ہم لوگوں کو بالکل خبر نہ تھی کہ کہاں ہیں۔ اس کا شوہر اسی غم اور کوفت میں مرگیا اب مدت کے بعد مولوی صاحب میری بہن کو لے کے واپس آئے ہیں۔ اور حرام پور میں موجود ہیں۔ لہذا سرکار کی عدالت گستری سے امیدوار ہوں کہ میری بہن مع اپنی اولاد کے مجھے ان سے دلوادی جائے تاکہ اپنی دادا کے سرکار کے لئے ترقی دولت و اقبال کی دعا کروں" اس درخواست پر ضیاء اللہ نے اپنے ہاتھ سے نشانی بنا دی۔ اور اس کے نیچے ملک حیدر نے تصدیق کر دی کہ" یہ دستخط خود مدعی کے ہیں"

دستخط کرتے وقت ضیاء اللہ خان نے چپکے سے کہا" مجھے دستخط کرتے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ سرکار کے حکم سے دستخط کئے دیتا ہوں مگر کچھ بتائیے بھی تو یہ مولوی حمد اللہ کون صاحب ہیں۔ اور اُن کا قصور کیا ہے؟

ملک حیدر: "مولوی حمد اللہ کا قصہ ہی کیا! ایک مولوی ہے جو مدرسہ میں لڑکے پڑھاتا ہے۔ اور پڑھانے کے بہانے خوب صورت لڑکوں کے ساتھ عشق بازی کیا کرتا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ اس میں تمھارا بھلا ہوتا ہے اور اس مردود کو

سزا ہوجائے گی۔"

ضیاءاللہ:"میں تو ہر طرح آپ کی عنایتوں کا شکرگزار ہوں۔ اور آپ ہی کی توجہ سے مجھے آج آزادی نصیب ہوئی۔ ورنہ میں تو عذاب میں پڑ گیا تھا۔"

ملک حیدر (چپکے سے)" اب تو تمھیں مجھ سے شکایت نہیں رہی؟ چند روز کوکب آرا میرے یہاں آئی تو تم نے تقاضا شروع کیا کہ نکاح کیجئے نہیں تو حضور میں دعویٰ کردوں گا۔ اب دیکھو میں نے کیسی خوب صورتی سے اسے سرکار کے محل میں پہونچا دیا؟ اور کس خوبی کے ساتھ سرکار بیاہنے کو آئیں گے؟"

ضیاءاللہ:"آپ کی عنایت ہے۔"

ملک حیدر:"عنایت ہو یا نہ ہو مگر دیکھو اب کسی کے سامنے میرے اور کوکب آرا کے تعلق کا ذکر نہ آنے پائے ورنہ میرے تمھارے دونوں کے لئے بُرا ہوگا۔"

اس بات کا اطمینان دلا کے ضیاءاللہ خان اپنے گھر گئے کہ بیٹی کو لا کے حضوری میں پیش کریں۔ اور ملک حیدر خان نے درخواست لے جا کے نواب صاحب کے ملاحظہ میں پیش کی۔ نواب نے چپکے چپکے پڑھ کے پیشانی پر یہ حکم تحریر فرمایا کہ مولوی حمداللہ کی بی بی بچے فوراً حراست میں لے لئے جائیں اور سائل کا دعویٰ بعد تحقیقات سچ ثابت ہو تو اس کے حوالے کردیئے جائیں۔"

یہ حکم قضا شیم حاصل کرتے ہی ملک حیدر خان آداب بجا لا کے دربار سے رخصت ہوئے اور اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہی کہا: "آج مولوی حمد اللہ کو قدر عافیت معلوم ہوگی۔ اب جانیں گے کہ میرے بیٹے کو درجے میں ترقی نہ دینے کا کیا پھل ملتا ہے۔ میں ان کے پاس بیٹے کی سفارش لے کے جاؤں۔ اور وہ کہیں کہ آپ کا لڑکا نالائق ہے۔ ترقی کے قابل نہیں۔"

راستے میں افسر کوتوالی کا مکان تھا ان کو سرکار کا دست خطی حکم دے کے ہدایت کی آج ہی جا کے مولوی حمد اللہ کے بیوی بچوں کو حراست میں کر لو۔ ان کی بڑی بیٹی زینب شام ہونے سے پہلے حفاظت کے ساتھ حرام سرائے نوابی میں پہونچا دی جائے اور دوسرے بچے مع اپنی ماں کے ضیاء اللہ خان کے سپرد کر دیئے جائیں۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ رات کو نواب صاحب کی برات نکلے گی پولیس کی تمام جمعیت موجود رہے۔ پھر گھر پہونچ کے کل افسران فوج کے نام سرکاری حکم جاری کر دیا کہ ساری فوج پورے جلوس کے ساتھ غروب آفتاب سے پہلے ایوان شہریاری کے پھاٹک پر حاضر رہے۔ اعلیٰ حضرت کی سواری کروفر سے نکلے گی۔ اس کے ساتھ ہی روشنی اور دیگر ضروری سامان آرائش کے متعلق بھی احکام جاری کر دیئے۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہو کے ملک حیدر خان اپنے گھر میں اطمینان سے بیٹھے۔ اور دل میں کہا: "آج رات کو حرام پور کی دھوم دیکھنے کے قابل ہوگی۔"

رات کا سین واقعی دیکھنے کے قابل تھا جو فوجی سرگرمی اور

شان و شوکت شہر کی گلی کوچوں میں نظر آ رہی تھی اُس نے ہر طرف ایک میلے کی شان پیدا کر دی تھی۔ اس جلوس کے متعلق رعایا میں طرح طرح کے خیالات تھے۔ اصل حال تو خاص خاص لوگوں ہی کو معلوم تھا کہ نواب صاحب برات لے کے اپنے ایک معشوق ڈھاری کی بیٹی بیسا ہنے کو جائیں گے۔ مگر عوام میں ہر شخص اپنے مذاق کے موافق رائے قائم کرتا تھا۔ اور آخر سب کی رائے اس پر جمی تھی کہ نواب صاحب کو جو سخت زخمی ہوئے تھے خدا نے اچھا کر دیا اور غسل صحت کی خوشی میں رعایا کا اطمینان دلانے کے لئے جلوس اور دھوم دھام کے ساتھ سواری نکلے گی۔

ضیاء اللہ خان ڈھاری کا گھر آج بدکاری وعیاشی اور ستم شعاری و سنگ دلی کا مرکز تھا۔ اس کے دروازے پر سرکار کی طرف سے روشنی کا انتظام تھا۔ نوبت بج رہی تھی۔ اور امرائے دولت و شرفائے مملکت ایک ڈوم کے دروازے پر دوڑ دھوپ کر کے غلامی کا ثبوت دے رہے تھے۔ دو گھڑی رات گئی ہو گی کہ باجوں کی آواز آنا شروع ہوئی۔ اور غل مچا کہ برات آ رہی ہے۔ لیکن برات سے پہلے ایک غم و الم کا ظالمانہ جلوس نظر آیا جسے دیکھ کے ہر راہ رو کے آنسو جاری تھے۔ آگے آگے پولیس کے انسپکٹر اور سب انسپکٹر تھے۔ اُن کے پیچھے ایک سو کے قریب پولیس کے مسلح سپاہی تھے۔ اور اُن کے درمیان میں دو فینسیں تھیں۔ جن میں سے دھڑا دھڑ سر پیٹنے اور بین کرنے کی آواز آ رہی تھی ایک دس برس کا خوب صورت لڑکا تھا جسے کوتوالی والے تلواروں کے حلقے میں لئے ہوئے تھے

اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اُس کے پاس جائے یا اس سے کوئی بات کر سکے۔
اور ساتھ ساتھ ایک پچاس برس کی عمر کا ثقہ صورت شخص تھا جو ننگے سر ننگے پاؤں اور گریبان چاک تھا۔ زار و قطار روتا اور سر پیٹتا تھا۔ دہائیاں دیتا اور عجیب حسرت و بے کسی کے لہجے میں کہتا تھا کہ "ہائے کوئی فریاد رس نہیں"! بار بار جوش میں آ کے لپکتا کہ اس خوش رو نوعمر اسیر جفا سے لپٹ جائے مگر پولیس والے ڈنڈے مار کے ہٹا دیتے۔ بہت سے کم سن لڑکے اس بوڑھے ستم زدہ کو سمجھاتے کہ اس یورش سے کیا حاصل ہو گا گھر چلئے اور عدالت میں چارہ جوئی کیجئے۔ مگر اس کو کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ رہ رہ کے سینہ کوبی کرتا۔ اور کہتا "ہائے میری بی بی میرے بچے! ہائے میرا گھر لٹ گیا۔ ہائے میں کہیں کا نہ رہا!"

ناظرین، غالباً ان بزرگ کو پہچان گئے ہوں گے۔ آہ! یہ حرام پور کے نئے ستم زدہ مولوی حمد اللہ ہیں۔ جن کے بی بی بچے بے خطا و قصور اُن سے چھین لئے گئے ہیں۔ اُن کی بی بی اور چھوٹی بیٹی ایک فینس میں۔ اور دوسری جوان کنواری بیٹی زینب دوسری فینس میں ہیں۔ دس برس کا بیٹا پولیس کی حراست میں ہے اور وہ شریفانہ متانت اور عالمانہ ضبط کو بھول کے اپنے گھر کے اسیران ستم کے رونے پیٹنے پر بے تاب ہو ہو کے خاک اڑاتے اور صدائے فریاد بلند کرتے ہیں۔ مگر افسوس یہ آواز جو عرش تک ہلا دیتی ہے حرام پور کے محل تک نہیں پہونچتی۔ مولانا کے شاگردان کو سمجھاتے ہیں مگر وفور غم سے اُن کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہی حسرت ناک سین قائم تھا

اور دیکھنے والوں کے سینے اس دل خراش منظر سے شق ہو رہے تھے کہ نشان کا ہاتھی آ پہونچا۔ اور تماشائیوں کی نظریں اس شان و شوکت سے جلوس کی طرف اٹھ گئیں جس پر برات کے دولھا خود نواب حرام پور تھے۔ اور کوئی جلوس ہوتا تو پولیس والے روک دیتے۔ مگر اس موقعہ پر سوا اس کے کہ وہ دونوں فینسیں وہ مظلوم اور ناسمجھ اسیر ستم اور وہ سینہ چاک فریادی ایک کونے میں ہٹا دیئے جائیں اور خود پولیس کے لوگ بھی اُن کے آگے ادب سے صف باندھ کے کھڑے ہو جائیں اور کیا ہو سکتا تھا؟

برات کے منتظموں نے اس خیال سے کہ بھیڑ نہ بڑھنے پائے یہ انتظام کر دیا تھا کہ جلوس ضیاء اللہ خان کے دروازے پر آئے اور پھر ایک گلی میں سے ہو کے نکل جائے۔ پیدل فوج کے دستہ اور سوار باجے والے جھنڈی بردار اور کل جلوس برابر گزرتے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ دولھا کا ہاتھی دولھن کے دروازے پر آ کے ٹھہر گیا۔ جس کے آگے روشن چوکی بج رہی تھی۔ اب سب طرح کے باجے زور و شور سے بجنے لگے۔ اور ہر طرف سے مبارک سلامت کا غل ہوا۔

ساتواں باب

ہمارے خود غرض ہادی و رہبر

دُنیا! بے مہر و بے وفا دنیا! آہ تو بڑی سنگ دل اور نہایت ظالم ہے یہ تیرے معمولی کرشمے ہیں کہ ایک گھر میں خوشی کے شادیانے بجواتی

ہے اور دوسرے گھر میں صدائے نوحہ و بکا بلند کراتی ہے۔ ایک جگہ تو نے ہزاروں مشعلیں روشن کردی ہیں۔ اور اسی کے قریب جو کلبۂ احزان ہے اس کا ٹمٹماتا چراغ بھی تجھ سے نہیں دیکھا گیا جسے تو گل ہی کرکے قرار لیتی ہے۔ ایک جگہ خوشی کے چہچہے ہیں اور دوسری جگہ ہم وغم کے ناقابل برداشت نالے لیکن اس سے بھی زیادہ جگر چاک کرنے والا یہ آج کا منظر ہے جہاں تو نے ظالم و مظلوم کو ایک ہی جگہ لاکے جمع کر دیا ہے۔ ایک طرف وہ تباہ شدہ خاندان مصروف ماتم ہے اور اس کے سامنے ہی ایک تیرہ باطن و سیہ کار ظالم شادیانے بجوا رہا ہے۔ اس کونے میں وہ بے کس خاتون ہے جو اپنے باوفا شوہر کے پہلو سے اور وہ بے بس بچے ہیں جو اپنے دل خون شدہ باپ کے آغوش سے بے خطا و قصور چھین کے لائے گئے ہیں کہ ایک علمی گھرانے سے نکل کے ایک ذلیل ڈھاڑی کی غلامی کریں اور بے آبرو ہوں اور اُن کے قریب ہی وہ جفا شعار و ستم گار ظالم ہاتھی پر سوار ہے جو باوجود اپنے محل میں سیکڑوں بیبیاں رکھنے کے سر میں سہرا باندھ کے آیا ہے کہ ایک اور لڑکی کی مٹی پلید اور زندگی خراب کرے۔

چند مہذب ناموران وطن ہمیں مشورہ دیتے ہیں کہ ان منظروں کے دکھانے میں اس قدر سختی نہ کی جائے۔ اور رؤسا و والیان ملک کے ساتھ ایسی درشتی کا برتاؤ نہ ہو۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ جس قسم کے واقعات دکھائے جا رہے ہیں وہ سوسائٹی کو غارت کرنے اور بد تہذیبی و بے شرمی

کے جذبات کو حرکت دینے والے ہیں۔ افسوس ان ظالموں کی صحبت نے انھیں بھی سنگ دل اور ناخدا ترس بنادیا ہے۔ وہ اس جگہ خراش منظر کو دیکھیں ایک صاحب علم وعالم و فاضل کی اس بے حرمتی و مظلومی پر نظر ڈالیں۔ اور بتائیں کہ سوسائٹی کو ہم سے ضرر پہونچتا ہے یا ایسے ظالم و بے حیا نوابوں سے؟

ہمارے روئے سخن ان مہذب شائستہ خدا ترس اور عدالت گستر والیان ملک کی طرف نہیں ہے جو ہندوستان کے لئے سرمایۂ ناز ہیں۔ ہم تو ان بے شرموں کا کرکٹر دکھا رہے ہیں جنھیں گورنمنٹ برطانیہ کے سایۂ حمایت میں آ کے خدا بھی بھول گیا ہے۔ نہ اپنی شرافت وعزت کا خیال ہے۔ نہ دوسروں کی شرافت وعزت کا۔ نہ اپنی آبرو کا پاس ہے۔ نہ دوسروں کی آبرو کا۔ جن کی صحبت میں رہنا بے شرمی بے حیائی اور حد درجے کی بے غیرتی کا تمغہ ہے۔ اور جن کے حدود اقتدارات کے اندر ہر شخص کی آبرو خطرے میں ہے۔

ہندوستان کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کے مدعیان ریفارمیشن اس کے نامی گرامی لیڈر اُس کے مصلح و خیر خواہ یہاں تک کہ اس کے عالم و فاضل اور اعلیٰ مصنفین تک سب غرض کے بندے ہیں۔ کسی کو اپنی کسی انجمن کے لئے مدد لینا ہے۔ کسی کو کسی، مدرسے کے لئے امداد حاصل کرنی ہے کوئی اپنے پیشے وکالت یا طبابت کی مربی گری چاہتا ہے۔ کوئی اپنے اخبار کے لئے معتدبہ اعانت کا امیدوار ہے۔ اور کوئی اپنی کتابوں کی

اشاعت اور ان کی طبع میں رئیسوں کی اعانت کا آرزو مند ہے۔ غرض ساری سواد وطن ابنائے غرض اپنا مطلب نکالنے والوں سے بھری ہوئی ہے۔ نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ مالی امداد کی ہوس میں بڑے بڑے لوگ اپنی ذاتی بے آبروئی کو بھی خاموشی سے گوارہ کر لیتے ہیں۔ جس ملک کی یہ حالت ہوگئی ہو کہ اُس کے سرکردہ اور مصلح باوجود ظاہری ارتقا کے صرف روپیہ کے لئے اپنی بہو بیٹیوں کی بے حرمتی کو بے عذر گوارا کریں وہاں جو نہ ہو تھوڑا ہے۔ اور جیسا مشورہ نہ دیا جائے تعجب نہیں۔

اس عام غرض مندی نے رئیسوں کو موقع دے دیا کہ رشوت دے دے کے سرد گروہان قوم کو خاموش کریں۔ مصلحان امت کا منہ روپیہ سے بند کرلیں۔ اور غریب و بے زبان رعایا کے ساتھ جو سلوک چاہیں کر گزریں ہندوستان میں ابھی تک پبلک کی قوت کم ہے اور کسی قدر ہے بھی تو اس پر سرگردہان قوم اور وکلائے وطن کی ہوس پرستی قناعت نہیں کر سکتی۔ نتیجہ یہ کہ انھیں دولت مندوں کے آگے دست گدائی پھیلانے سے مفر نہیں۔ یورپ کی اصلی برکت یہ ہے کہ پبلک کی قوت نے امارت و دولت مندی کو اپنا محکوم بنا لیا ہے۔ مصلحان قوم اور مصنفوں کو پبلک سے اتنی مدد ملتی ہے۔ کہ انھیں امیروں کی مطلق پرواہ نہیں رہی اور امیروں اور حکمرانوں کو پبلک کے ساتھ برتاؤ کرنے میں اخلاقی اصول اور شرعی قوانین کا پابند ہو جانا پڑا۔ بخلاف اس کے ہمارے یہاں ناپاک جذبات اور شرمناک افعال والے امیروں نے روپیہ دے دے کے سب کا منھ بند کر دیا ہے۔ جنھیں اُنکی بے غیرتی

کی خموشی نے اس قدر بے حس بنادیا ہے کہ اگر کوئی اصلی حالت دکھانے کا ارادہ بھی کرے تو سب کے سب اس کا گلا دبانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

لیکن جھوٹ کی ناؤ زیادہ نہیں چل سکتی۔ پبلک کی قوت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ اور جو جو پبلک کی قوت بڑھے گی پردہ اٹھتا جائے گا۔ اور لوگوں کو ہمارے لیڈروں ہمارے ریفارمروں ہمارے ایڈیٹروں ہمارے مصنفوں ہمارے سرپرستوں اور ہمارے سرگروہوں کے ان سونے کے دیوتاؤں کا تاریک رُخ نظر آتا جائے گا۔

ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ کس کس والی ملک اور کن کن رئیسوں کے ایسے حالات ہیں۔ اس لئے کہ لوگ خود جانتے ہیں۔ مگر ہاں ہم حلف کے ساتھ بیان کرنے کو تیار ہیں۔ کہ ان میں سے ایک واقعہ بھی غلط اور بے اصل نہیں یہ جتنے مظالم گزر رہے ہیں۔ مظلوم محمد اللہ کے ایسے صدہا ستم کشوں کے رونے کی آواز عالم بالا میں گونج رہی ہے۔ اور عرش معلیٰ کانپ رہا ہے۔ ایسے مظالم کا دور ہونا اس سے لاکھ درجہ اچھا ہے کہ ندوۃ العلماء کا دارالعلوم ٹوٹ جائے۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ خاک میں مل جائے۔ اور دیوبند وغیرہ کے مدرسے سب برباد ہو جائیں جن کی ترقی کی ناجائز ہوس میں سخت سے سخت ظلموں اور شرمناک بے حیائیوں پر پردہ ڈالا جائے۔ اور کوئی دل دکھا حرف شکایت زبان پر لائے تو اس کے ساتھ رشوت خوار سرگروہان امت کا یہ طرز عمل ہو کہ ع

وہ رنجتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لئے

ہم نے آزادی اور مظلوموں کی سچی دادرسی کے لئے قلم ہاتھ میں لیا ہے۔ کوشش کر رہے ہیں کہ ہندوستان ایسے ظالم اور ناپاک رئیسوں سے پاک ہو جائے۔ اور اگر یہ مظالم اور بے حیائیاں نہیں مٹ سکتیں تو خدا سے دعا ہے کہ ہمیں اور ہمارے ہندوستان ہی کو دنیا سے فنا کر دے۔

اصل یہ ہے کہ پولیس والوں کو مولوی حمداللہ کے بی بی بچوں کے گرفتار کرنے اور انھیں اپنی حراست میں لینے میں دیر ہو گئی جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی علمی فضیلت و وقعت اور ان کی قطعی نیک نفسی و بے گناہی کی وجہ سے سارے محلہ کے لوگ آگئے اور پولیس کو ایسی دست درازی سے مانع ہوئے جو راہ رو گزرتا ٹھہر جاتا اور مولوی صاحب کی بے قصوری کا اقرار کر کے پولیس والوں کو سمجھاتا کہ شریفوں کی آبرو میں ایسی دست درازی نامناسب ہے۔ مگر کوتوالی والے بھی مجبور تھے۔ انھیں بر بنائے فرمان شاہی قطعی حکم ملا تھا۔ جس کو دیکھتے ہی ہر شخص خاموش ہو جاتا۔ اور دل میں کہتا چلا جاتا کہ "جہاں ہمارے نواب کے ایسے حاکم ہوں۔ وہاں جو نہ ہو تعجب ہے"۔ غرض انھیں جھگڑوں اور رکاوٹوں کی وجہ سے پولیس کو شام ہونے کے بعد موقعہ ملا کہ مولوی حمداللہ کی بی بی بچوں کو اپنی حراست میں لے کے روانہ ہوں۔ تاہم انھوں نے کوشش کی کہ نواب صاحب کی برات سے پہلے ہی اپنے اسیروں کو ضیاء اللہ کے مکان میں پہونچا دیں۔

ضیاء اللہ خان کے گھر پر بیٹی کی شادی کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں خاصتہً اس سرفرازی پر کہ نواب صاحب بہ نفس نفیس دولہا بن کے بیاہنے کو

گئے ہیں۔ ان خوشیوں میں یہ غم کا جلوس جو پہونچا تو ان کی بیوی نے کہا: "میں تو آج اپنے گھر میں ماتم نہ ہونے دوں گی۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ مولوی حمداللہ کی بی بی اور لڑکے روئیں، پیٹیں نہیں۔ ایسی مبارک گھڑی میں کون ایسی نحوست کو اپنے سر لے گا؟"

ضیاء اللہ: "تم سمجھتیں نہیں اور خواہ مخواہ کو ضد کرنے لگتی ہو۔ جب نواب صاحب کا حکم ہے تو کیوں کر انکار کیا جا سکتا ہے؟"

بی بی: "حکم ہوا کرے مجھے اپنی بچی ایسی بھار و نہیں ہے کہ اُس کی شادی کے دن اپنے گھر میں رونا پیٹنا ہونے دوں۔"

ضیاء اللہ: "پھر وہی ضد! میں کہتا ہوں تمھیں ہو کیا گیا ہے؟ نواب صاحب کہیں سُن پائیں تو سر منڈوا دیں۔"

بی بی: "کچھ آج ہی پر موقوف ہے؟ آج رات اصل خیر سے ہو جانے دو کل ان سب کو بلا کے اپنے پاس رکھ لوں گی۔"

ضیاء اللہ: "اور نواب صاحب کا حکم ہے کہ یہ لوگ آج ہی رات کو اس گھر میں رکھ لئے جائیں۔"

بی بی: "ایسا ہی ہے تو کو کب آرا کی رخصتی کے بعد بلا لینا۔ اس سے پہلے تم لاکھ سر پٹک مارو میں نہ مانوں گی۔"

برات کو آتے دیکھ کے پولیس والوں نے تاکید کرنا شروع کی۔ جلدی پردہ کرا کے سواریاں اتروا‌ؤ۔ مگر گھر والی نے ایک نہ مانی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برات آ گئی۔ اور وہ فینسیں ایک کنارے زمین پر رکھ دی گئیں۔ اور اُن میں سے

رونے پیٹنے کی آواز آرہی ہے۔

دیر کے بعد جب ایک گھڑی کو باجا بجنا موقوف ہوا۔ اور نواب صاحب نے ہاتھی سے اترنے کا قصد کیا تو آہ وزاری کی آواز کان میں آئی۔ اور ساتھ ہی مولوی حمد اللہ کی آہوں کا شور سنا۔ چونک کے پوچھا۔ "یہ رونا پیٹنا کیسا؟"

نواب کے اس سوال پر پولیس والوں کے حواس جاتے رہے۔ افسران پولیس کے چہروں پر ہوائیاں چھٹنے لگیں۔ مگر ملک حیدر خان نے بڑھ کے اور ہاتھ جوڑ کے عرض کیا: "حضور لڑکی کی رخصتی میں رونا دھونا نہ ہوگا تو کیا ہوگا لڑکی کی ماں اور بعض اعزا رو رہے ہیں۔"

نواب: "تو ابھی سے؟"

ملک حیدر: "یہ سب جانتے ہیں کہ حضور زیادہ قیام نہ فرمائیں گے زیادہ سے زیادہ گھنٹہ بھر میں دولہن کو سوار کرا لے جائیں گے۔"

نواب: "ہاں اگر دل نہ لگا تو میں فوراً سواری کا حکم دوں گا۔ لیکن برات کا گھر ہے۔ بہت سی عورتیں مہمان آئی ہوں گی۔ میں جب تک سب کی صورتیں اچھی طرح نہ دیکھ لوں گا۔ اور سب سے اخلاق و شگفتگی کے ساتھ نہ مل لوں گا نہ چلوں گا۔"

ملک حیدر: "حضور کو اختیار ہے جب تک چاہیں ٹھہریں۔ اور جب مرضی ہو سوار ہوں۔ بس اب گھر کے اندر تشریف لے چلیں (چلا کے باجے والوں سے) دولھا ہاتھی سے اتر رہے ہیں اور باجا نہیں بجاتے۔ جلدی بجاؤ۔ خبردار کوئی باجا

خاموش نہ ہو۔ حکم کے ساتھ ہی پھر زور و شور سے باجے بجنے لگے۔ اور جو اسیران ستم آہ واویلا کر رہے تھے ان کی صدائے فریاد نوبت خانے میں طوطی کی آواز بن گئی۔

اسی شور قیامت میں نواب صاحب ہاتھی سے اتر کے زنانے میں داخل ہوئے اور ان کے اندر جاتے ہی حرام پور کے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ہنس کے ملک حیدر خان سے کہا: "واللہ مانتا ہوں! کیا فقرہ چلے ہو۔ میرا تو ان کم بختوں کے رونے کی آواز اور نواب کا پوچھنا سن کے خون خشک ہوگیا تھا۔"

ملک حیدر: (مونچھوں کو تاؤ دے کے) ایسے فقرے نہ آتے ہوں، تو انسان کو اعلیٰ درباروں میں قدم نہ رکھنا چاہیئے۔"

نواب صاحب نے اندر جاتے ہی تمام مہمان عورتوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اگرچہ اب وہ اپنے گذشتہ حرکات کی وجہ سے اور اپنے سابقہ جرائم کے پاداش میں "بے حرمتی کا پروف" بن گئے ہیں۔ اور ماشاء اللہ سے سیفٹی ماچز کی شان پیدا ہوگئی ہے۔ مگر بری عادت پڑ جائے تو نہیں جاتی۔ لہٰذا اُن کی حالت چاہے کچھ ہو ظاہر میں اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ ایک ایک عورت کا منہ کھلوا کے دیکھا۔ گھر بھی اُن کے شوق کے مطابق ایک ڈھاڑی کا تھا جس میں شہر بھر کی ڈومنیاں جمع تھیں۔ اور آج کی تقریب کو اپنی قومی عزت خیال کر کے بڑے تکلف سے اور بناؤ چناؤ کر کے آئی تھیں۔ نواب صاحب کو اگر دیکھنے کا شوق تھا انھیں اپنے دکھانے کا بعض

جوان جوان ڈومنیوں نے سسرالی رشتہ قائم کر کے دل لگیاں شروع کیں ۔ اور ان کی معشوقانہ شوخیوں اور بے باکانہ بذلہ سنجیوں میں نواب صاحب کو بہت ہی لطف آیا۔ حسن کی ایک نمائش پیش نظر تھی اور بھونرے کی طرح نواب ہر پھول کے پاس ٹھہر کے کسی نہ کسی نئی ادا کا مزہ لے لیتے ۔

ارادہ کیا کہ اسی سلسلہ میں نئی دولہن کا بھی جلوہ دیکھ لیں ۔ مگر دل میں کچھ سوچ کے خاموش ہو رہے ۔ اور جس طرح دھوم دھام سے آئے تھے اسی طرح ہزاروں براتیوں اور فوج کی بڑی بھاری جمعیت کے ساتھ باجے بجاتے ہوئے کوکب آرا بیگم کو رخصت کرا لے گئے ۔

آٹھواں باب

اللہ میاں کی لکڑی کی آواز

گھر پہونچ کے ہاتھی سے اتر کے بیرونی دربار کے ایک کمرے میں گئے تنہائی میں آرام کرسی پر خاموش لیٹ گئے ۔ اور دل میں سوچنے لگے کہ میری بھی عجیب حالت ہے ۔ روز نئی نئی عورتیں محل میں داخل ہوتی ہیں ۔ شادی کر کے اپنے عالی شان محل کو نئے حسینوں سے زینت دیتا جاتا ہوں ۔ میرا حرم نہیں اندر کا اکھاڑا ہے راجہ اندر نے بھی اتنی حسین پریاں نہ دیکھی ہوں گی جتنی اس وقت میری لونڈی بنی ہوئی ہیں ۔ مگر افسوس سب بے کار ہے ۔ ع

عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ ! یہ کتنی بڑی غیرت کی بات ہے ۔ اور میری وضع کے کس قدر خلاف ہے کہ ضیاء اللہ خان کے گھر میں جلکے ساری مہمان

عورتوں اور ان کے عزیزوں کی بہو بیٹیوں کو دیکھ ڈالا مگر خاص اس نازنین کی طرف رُخ نہ کر سکا جس کے لئے گیا تھا۔ اور جسے سوار کرا کے اپنے ساتھ لایا ہوں۔ میں جس کی مدتوں یہ وضع رہی ہے کہ کسی عزیز اور کسی معزز درباری کے لڑکے یا لڑکی کی شادی ہوئی اور میں بے بلائے جا پہونچا اور مجال کیا کہ کسی کی لڑکی قبل اس کے کہ میں اس کے حُسن سے لُطف اٹھا لوں اپنے شوہر کے پاس پہونچ سکی ہو۔ اس کی آج یہ حالت ہو کہ حسینوں کی ایک بھری محفل میں گیا۔ سیکڑوں دل رباؤں سے ملا نئے نئے انداز دیکھے نئے نئے عشوے اور کرشمے دیکھے۔ مگر کس طرح ؟ جیسے کوئی خواجہ سرا دیکھتا ہے۔ آہ کیا میری قسمت میں تھا کہ اپنی حرم سرا کا خواجہ سرا خود میں ہی بن جاؤں ؟ اب آج دو حسین دوشیزہ معشوقائیں محل میں آئی ہیں۔ ایک تو یہی کوکب آرا جسے میں بیاہ کے اور باقاعدہ شادی کر کے لایا ہوں۔ اور دوسری خورشید محمد خان نام پٹھان سپاہی کی بیٹی اچھو۔ اپنی عادت کے مطابق چاہئے تھا کہ میں اس وقت سیدھا اُن دونوں کے پاس پہونچتا۔ آدھی رات ایک کے حجلۂ ناز میں رہتا۔ اور آدھی رات دوسری کے حجلۂ عروسی میں۔ مگر جانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ لو، ہاں، ایک تیسری نازنین اور بھی آئی ہے۔ جس کے بارے میں ملک حیدر خاں نے کہا تھا کہ حُسن و جمال میں یکتائے روزگار اور ہندوستان بھر میں لاجواب ہے۔ اُس کی پیاری صورت دیکھنے کا مجھے بڑا شوق ہے۔ مگر کس منہ سے دیکھوں ؟ اچھا منزلت آرا بیگم کو بلواتا ہوں۔ اب یہ راز اور جنونکے

اُس ظالم دربار کی یہ لعنت جو مجھ پر برس رہی ہے چھپی نہیں رہ سکتی۔ اور اُن کو آپ ہی میری حالت سے معلوم ہو جائے گا تو خود میں ہی کیوں نہ بیان کردوں. شاید اُن سے کوئی تدبیر بن پڑے۔ یا کوئی حکمت انھیں معلوم ہو۔ اس فن میں اُن سے زیادہ کمال میں نے آج تک کسی میں نہیں دیکھا" یہ سوچتے ہی آواز دی کر" کوئی ہے؟"

ایک چوبدار سامنے آکر آداب بجالایا۔ حکم ہوا کر" بندی محل دار کو حکم دو کہ اسی وقت منزلت آرا بیگم کو حاضر کرے" حکم کو دس پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ منزلت آرا بیگم ایک ادائے معشوقانہ سے آداب بجا لائیں، اور انداز کے ساتھ مسکرا کے عرض کیا" آج کی شادی بڑی مبارک ہے کہ میں یاد تو آئی"

یہ بیگم صاحبہ نواب صاحب کی رشتہ کی بہن اور موجودہ ہوم سکریٹری صاحب کی بیاہتا بیوی ہیں۔ مگر حرام پور کی سوسائٹی نے انھیں فن عشق بازی کا اکسپرٹ بنا دیا ہے۔ عمر کوئی چالیس کے قریب ہوگی۔ اور کافرماجرا حُسن شباب کا زور ٹوٹ گیا ہے۔ جن دنوں عشق بازی کی دنیا میں یہ ایک چیز تھیں اور باغ حُسن کا شگفتہ پھول بنی ہوئی تھیں۔ نواب صاحب سے اُن سے گہرے تعلقات تھے۔ پھر جب اُن کی بیٹی سر آرا جوان ہوئی تو نواب صاحب اُس کے عاشق دل دادہ بنے۔ اور محل میں مشہور ہے کہ اُن کی اولاد اور اُن کی بیٹی کی اولاد دونوں ہمارے نواب صاحب ہی کی سیہ کارانہ عشق بازی کا نتیجہ ہیں۔ زمانہ یہ سب رنگ دیکھ چکا ہے کہ پہلے منزلت آرا نواب کا

مشغلۂ عشق بنیں۔ پھر سریر آرا ان کے ہاتھ کی شہید عشق ہوئی۔ پھر بیٹی بنا کے
نواب صاحب نے دھوم دھام سے سریر آرا کی شادی کی اور اس کو اپنے
خزانے سے بہت کچھ جہیز دیا۔ پھر جب سریر آرا کے لڑکا ہوا تو نواب نے
یہ کہہ کے خوشیاں منائیں کہ مجھے خدا نے بیٹا دیا۔ اور باپ بن کے چھٹی
چلے کی تقریبیں شاہانہ شان و شوکت سے کیں۔ ناظرین اس اجتماع
اضداد پر چونکیں نہیں دربار حرام پور کی معجز نمائیاں ایسی ایسی تازہ کرامتیں
روز دکھایا کرتی ہیں۔"

مگر منزلت آرا کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ادھیڑ ہونے پر بھی
اپنی فطرت سے معشوقۂ بست سالہ بنی ہوئی ہیں۔ اور نواب کی نظر سے
گرنے پر بھی اُن کے دل پر اس قدر چھائی ہوئی ہیں کہ نواب کو بغیر ان کے
کسی محبوبہ سے ملنے اور کسی دوشیزہ کے حسن کی بہار لوٹنے میں مزہ ہی
نہیں آتا۔ چنانچہ اب بقول سعدی "قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی"۔ مدت سے
معمول ہے کہ جو حسینہ نواب کی خلوت خاص میں لائی جاتی ہے۔ وہ
چاہے کوئی ہو اور کسی کے معرفت آئی ہو اُسے پیش یہی کرتی ہیں یہ اپنا
کمال نازنینوں کے بنانے سنوارنے اور مشاطہ گری ہی میں نہیں دکھاتیں
بلکہ نواب صاحب کو بھی آخر تک جذبات عشق کے پورا کرنے اور شہوت
پرستی کی ناپاک ہوسیں نکالنے میں اپنے مبارک ہاتھ سے مدد دیتی ہیں۔
مگر چند روز سے نواب صاحب نے اُنھیں بھی اپنی دستکاری و چابک
دستی میں معذور و بے کس دیکھ کے یہ مصرع پڑھا کہ "خیر و برکت بہ دست تو نیست"

اور بلوانا موقوف کردیا۔ چنانچہ اسی بے توجہی کا شکوہ کرتی ہوئی یہ تشریف لائی ہیں۔

نواب: ”تم بھلا بھول سکتی ہو؟ میں ان دنوں ایسی سخت پریشانیوں میں رہا کہ تمھاری ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔“

منزلت آرا: ”خدا نے بڑا فضل کیا۔ اور بڑی خیریت گزری میں نے تو جیسے ہی خبر سنی کلیجہ دھک سے ہوگیا۔ خیر خدا نے سُن لی۔ اور یہ مبارک دن دکھایا کہ میری ضرورت ہوئی۔“

نواب: (حسرت کے لہجہ میں) ”ہاں تمھاری ضرورت تو ہے۔ مگر وہ ضرورت نہیں جس کے لئے تم آتی تھیں۔ آج میں نے ایک بڑی اہم اور نئی ضرورت سے بلایا ہے۔“

منزلت آرا: ”میں ہر کام کے لئے حاضر ہوں۔“

نواب: ”لیکن یہ راز کا معاملہ ہے ایسی باتیں میں کبھی کسی کے سامنے زبان پر نہیں لاتا۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی اور سے یا اپنے میاں سے کہہ دو۔“

منزلت آرا: (قہقہہ مار کے) ”لو اور سنو۔ میں اپنے میاں سے کہہ دوں گی! میاں کو جیسا میں سمجھتی ہوں حضور پر روشن ہی ہے۔ اے میں کبھی منہ تو لگاتی نہیں۔ مہینوں سامنا نہیں ہوتا۔ حضور نے اتنا سر چڑھا رکھا ہوتا تو میں اپنے گھر میں قدم بھی نہ رکھنے دیتی۔“

نواب: ”خیر میں نے اس لئے کہہ دیا کہ احتیاط رکھنا۔ ذرا اور آگے بڑھ آؤ شاید کوئی پاس کھڑا سُن رہا ہو۔ تمھیں خبر ہے کہ میرے احباب اور عہدہ داران

خاص کہاں غائب ہو گئے ۔ اور حلال نگر میں دلہنوں کے برات اڑا لانے کا جو انتظام تھا وہ کیوں ٹوٹ گیا؟"

منزلت آرا: "مجھے کیا معلوم؟ حضور نے کبھی بتایا ہوتا تو جانتی"۔

نواب: "لوگ مجھے ایک جنون کے دربار میں پکڑ لے گئے۔ جہاں مجھ پر میرے دوستوں اور معتبر ملازموں پر سیکڑوں جرم عائد کئے گئے۔ خصوصاً ان لوگوں پر جو اس انتظام میں مختلف خدمات پر مامور تھے۔ وہاں پہونچ کے ایک عجیب طلسمی کارخانہ دیکھا۔ جتنی عورتیں حلال نگر سے لائی گئی تھیں سب فریادی بن کے آئی تھیں میرے تمام رفقاء اور ملازم بھی گرفتار کر لائے گئے تھے۔ جو وہاں حاضر تھے۔ اور سب میرے خلاف شہادت دے رہے تھے۔ آخر اس عدالت نے سب مجرموں کو سزا دی۔ میرے تمام مصاحب اور رفقاء کی نسبت تو حکم ہوا کہ فنا کر دیئے جائیں۔ مگر میرے ساتھ اتنی رعایت کی گئی کہ بے کار کر کے چھوڑ دیا گیا"۔

منزلت آرا: "تو حضور کے وہ سب پرانے رفقاء و مصاحب کیا مار ڈالے گئے؟"

نواب: "مجھے مطلق خبر نہیں کہ اُن کا کیا حشر ہوا۔ مگر پھر کبھی اُن میں سے کسی کی صورت نہیں دکھائی دی۔ سوا ایک شخص کے جو اب میرے خون کا پیاسا ہے"۔

منزلت آرا: "وہ کون موا نمک حرام ہے؟"

نواب: "میرے دل میں آئی کہ یہ جنات کا کارخانہ ہے۔ اگر کوئی زبردست عامل مل جائے تو اس کو راضی کر کے اپنی معذوری و بے کاری کا علاج کراؤں حکیموں کی دواؤں کو پہلے ہی آزما چکا تھا جو کچھ بھی کارگر نہ ہوئیں۔ اسی اثنا میں

سنا کہ ملا مرآد نام ایک ولایتی عامل حلال نگر میں آئے ہوئے ہیں ان سے ملنے کے شوق میں حلال نگر گیا۔ وہاں سنا کہ لوگوں کی کثرت سے اُنھوں نے بستی چھوڑ دی۔ اور شہر سے چار پانچ میل کے فاصلے پر جنگل میں رہتے ہیں وہاں اُن سے ملا اُن کی حالت دیکھی جو ساعت بہ ساعت زیادہ خطرناک معلوم ہوتی تھی اور آخر میں کھلا کہ وہ مولوی سعداللہ ہیں جو میرے خون کے پیاسے اور میری جان کے درپے ہیں۔ اب مجھ میں بھاگنے کی بالکل جرأت نہیں رہی تھی۔ اتنے میں انھوں نے تلواریں مار کے مجھے اپنے نزدیک مار ڈالا اور لوگوں کا غل سُن کے غائب ہو گئے۔ اگر اس وقت لوگ نہ آجائیں تو مجھے مار ہی ڈالا تھا۔ دیر کے بعد میرے حواس درست ہوئے تو دیکھا کہ جن لوگوں نے مجھے ناگہاں آکے سعداللہ کے ہاتھ سے بچایا وہ محمد تنیر اور اس کے رفقا ہیں۔"

منزلت آرا: "اے ہے! تو حضور کو اس موئے سعداللہ نے زخمی کیا؟ میں نے سنا تھا کہ شکار میں کہیں چوٹ آگئی۔ لیکن حضور نے ان باتوں کو مجھ سے کیوں نہ کہا؟ اے مجھے معلوم ہوتا تو کسی بات کی فکر نہ رہتی۔ میں سب باتوں کا بندوبست کر دیتی۔"

نواب: "کیا تم کوئی عامل پیدا کر دیتیں؟"

منزلت آرا: "ہاں پیدا کر دیتی۔"

نواب: "خیر عامل تو جب ملے گا ملے گا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ جب تک نہیں ملتا ہے میں کیا کروں؟ مجھے کم بخت جنوں کے جادو نے بالکل بے کار کر دیا! ایک آہ

سر درد بھر کے! کسی کام کا نہیں رہا۔ حکیموں کا زور نہیں چلتا۔ اور عورتوں کی آمد بدستور جاری ہے۔ اب آج ہی تین لاجواب گل عذار لڑکیاں داخل ہوئی ہیں جن میں سے ایک کو صرف اس خیال سے کہ اہل شہر میں میری اس معذوری کا خیال نہ پیدا ہو قاعدے کے ساتھ بیاہ کے لایا ہوں۔ میری عادت تم جانتی ہو ایسی حسین عورتیں محل میں داخل ہوتیں اور میں ان سے الگ یہاں بیٹھا تم سے باتیں کرتا ہوتا ہوں؟ کبھی دل میں آتی ہے کہ اب یہ عورتوں کی فراہمی کا سلسلہ ہی موقوف کر دوں۔ مگر پھر خیال ہوتا ہے کہ بدنام اور لوگوں کی نظر میں حقیر ہو جاؤں گا۔"

منزلت آرا: "کہیں ایسا غضب بھی نہ کیجئے گا۔ رئیسوں کا سارا رعب اسی میں ہے۔ کہ حسین عورتوں سے نہ اکتائیں۔ اور اپنے محل کو حسن و جمال کا خزانہ بنادیں۔"

نواب: "مگر جب اس کی لیاقت بھی ہو۔ اسی مشورے کے لئے تو تم کو بلایا ہے کہ تم ہی کوئی تدبیر بتاؤ۔ میری تو عقل ٹھکانے نہیں ہے۔"

منزلت آرا: "اس کا انتظام میں کرلوں گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ بس اتنا ہو کہ معمول کے مطابق حضور جس نازنین کو خلوت میں بلائیں میرے سامنے اور میرے ذریعے بلائیں۔"

نواب: "آخر تم کیا انتظام کرلوگی؟"

منزلت آرا: "حضور بس اب مجھ پر چھوڑ دیں۔"

نواب: "مگر بدنام تو اب میں ہو رہا ہوں محل بھر میں کھل بلی پڑ گئی ہے کہ نواب اب کسی

محل کو نہیں بلاتے۔"

منزلت آرا: "میں تو وعدہ کرتی ہوں کہ سب کو اطمینان ہو جائے گا اور یہ کھلبلی دم بھر میں مٹ جائے گی۔"

نواب: "مگر میرا کچھ اطمینان بھی تو ہو۔ تم میں کون سی ایسی کرامت ہے، اور مجھے بدنامی سے بچانے کے لئے کیا کرو گی؟"

منزلت آرا: "وہی۔ جو ضرورت کے وقت عورتیں عورتوں کے ساتھ کیا کرتی ہیں اس کا پورا سامان میرے پاس موجود ہے اور وعدہ کرتی ہوں کہ میری تدبیر سے عورتیں آپ سے ایسی خوش رہیں گی کہ جو ایک دفعہ آپ کے پاس ہو جائے گی پھر کسی کا نام نہ لے گی۔ حضور نے پہلے کہا ہوتا تو یہ دشواری ہی نہ پیدا ہوتی۔ اور خصوصاً جب حضور کو خلوت میں مدد دینا میرے ہاتھ کا کام ہے۔ تو پھر اس میں کون سی مشکل ہے؟"

نواب: (ذرا متامل ہو کے) "واقعی تم نے نہایت ہی معقول تدبیر بتائی۔ بس اب مجھے کسی بات کی فکر نہیں رہی۔ نہ بدنام ہوں گا۔ نہ عورتوں کی نظر میں حقیر و ذلیل ہوں گا۔ اور نہ کبھی کسی وقت عاجز رہوں گا۔ اچھا تو پھر اپنا وہ سامان اسی وقت جا کے لے آؤ۔ میں آج ہی ان تینوں نئی نازنین پری جمالوں پر تمہاری دستکاری کا امتحان کروں گا۔"

منزلت آرا: "میں ابھی لائی۔" یہ کہہ کے منزلت آرا بیگم اٹھ کے چلی گئیں۔ ادھر نواب صاحب نے دل سے باتیں شروع کیں کہ کون کہتا ہے عورتیں بے وقوف ہوتی ہیں؟ منزلت آرا نے تو ایسی بات نکالی کہ جواب نہیں رکھتی۔ دم بھر میں

ساری دشواریاں جاتی رہیں ایسے ہی مشیر ہوتے ہیں جن کی صحبت سے انسان بڑی بڑی بڑی مہیں سر کر لیا کرتا ہے۔ اب مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں۔ حکیم صاحب کا زور نہیں چلتا نہ چلے۔ کوئی عامل نہیں ملتا نہ ملے۔ میں عاجز نہیں ہوں۔"

اس قسم کی باتیں تھوڑی دیر تک دل سے کرتے رہے تھے کہ منزلت آرا پھر آگئیں۔ اور نواب صاحب ہشاش بشاش اور نہایت ہی شگفتہ و مطمئن انھیں ساتھ لے کے محل میں داخل ہوئے۔ بندی محل دار کو حکم دیا کہ "مولوی حمد اللہ کی بیٹی کو لے کے حاضر ہو۔ اور اپنی پر تکلف خواب گاہ خاص کا رُخ کیا۔

دو ہی قدم چلنے پائے ہوں گے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سپاہی ننگی خون آلود تلوار کھینچے ہوئے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے "کہاں جاتا ہے۔ مردود ٹھہر!" یہ للکار سنتے ہی نواب صاحب گھبرا کے چونک پڑے۔ پھر اس کی صورت اور حالت دیکھی تو مارے خوف کے خون خشک ہو گیا۔ اور منزلت آرا غش کھا کے زمین پر گر پڑی۔ بندی اور چند عورتیں دوڑیں کہ اسے بڑھ کے روکیں۔ مگر اُس نے تلوار جو دکھائی تو سب بھاگ کھڑی ہوئیں۔ مگر ان میں اتنی طاقت تو تھی کہ اپنی جان لے کے بھاگ گئیں۔ نواب صاحب میں اتنی بھی مجال نہ تھی کہ اپنی جگہ سے حرکت کریں۔ گھگھی بندھ گئی۔ اور سہمی ہوئی آواز میں بے معنی الفاظ سے اظہار عجز کرنے لگے۔ سپاہی نے قریب پہونچ کے ڈپٹ کے کہا "ملعون تو نے میری جورو کو خراب کیا۔ اور میری آبرو لی۔ اس فاحشہ کا تو میں نے اس تلوار سے کام

تمام کر دیا۔ جو منہ کالا کرانے کے لئے تیرے محل میں آئی ہوئی تھی۔ اب آیا ہوں کہ تجھے بھی اسی کے پاس پہنچا دوں۔ لیکن اس پر بھی تجھے اتنا موقعہ دیتا ہوں کہ بہادر ہے تو آ مجھ سے تجھ سے دو ہاتھ ہو جائیں۔ یا میں تجھے مار ڈالوں۔ یا تو مجھے مار ڈال۔ لے آ بڑھ اور میان سے تلوار کھینچ۔ ایں! آتا نہیں؛ نامردوں کی طرح بغلیں جھانک رہا ہے۔ اور منتظر ہے کہ کوئی حمایتی آ کے بچا لے؟" اُس نے ہزار تانا۔ مگر نواب صاحب کے حواس ہی درست نہ تھے۔ جواب کیا دیتے؛ نواب صاحب کو بالکل بے حس اور مرعوب دیکھ کے اُس نے بڑھ کے منہ پر تھپڑ مارا۔ اور کہا "حرامی ہے نا! اگر ذرا بھی شرافت ہوتی تو سامنے آ کے مقابلہ کرتا۔ مگر میں تجھے نہ چھوڑوں گا۔ اس وقت یہی عہد کر کے آیا ہوں کہ اپنی تیری جان ایک کر دوں گا۔" یہ کہہ کے تلوار کا ایک زبردست وار کیا جسے ایک خواص نے "ہائے ہائے!" کی فریاد کے ساتھ اپنے ہاتھ پر لیا۔ اور خوشامد کرنے لگی کہ "خان صاحب قصور ہوا۔ اب جانے دیجئے۔ اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ پھر سرکار سے کبھی ایسی خطا نہ ہوگی۔"

سپاہی: "خطا نہ ہوگی! جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ میری آبرو جا چکی۔ اور میں دنیا میں جینے اور کسی سے چار آنکھیں کرنے کے قابل نہیں رہا۔ اب میں بھلا اس نامرد جیز اور بے حیا حرامی کو چھوڑتا ہوں (تلوار کھینچ کے) ہٹ حرام زادی بیچ سے۔" مگر وہ خواص بعوض اس کے کہ بھاگے سپاہی کے قدموں پر گر پڑی۔ اور نہایت ہی عاجزی سے چلّا چلّا کے معافی مانگنے لگی۔

اتنے میں آہٹ معلوم ہوئی کہ باہر سے لوگ آ رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی

سپاہی نے خواص کو کس کے ایسی لات ماری کہ دور جاگری اور بڑھ کے نواب صاحب پر لگاتار وار کرنا شروع کر دیئے۔ نواب گھبرا کے اور زندگی سے مایوس ہو کے اوندھے گر پڑے اور سر سے پاؤں تک دس پندرہ تلواریں پڑیں۔ خون کے فوارے جاری ہو گئے۔ اور سپاہی کو پوری طرح یقین آ گیا کہ میں نے اپنے بزدل حریف کا کام تمام کر دیا۔

انتقام سے فارغ ہو کے اُس نے چاروں طرف دیکھا تو نظر آیا کہ سیکڑوں مسلح سپاہیوں میں گھرا ہوا ہے۔ نواب صاحب کے بعض مصاحب دو دو پتنچے لئے ہوئے کھڑے ہیں۔ اگرچہ گھبراہٹ اور خوف سے کسی کو فیر کرنے کی جرأت نہیں ہوتی اور دو ایک کے ہوش و حواس ٹھکانے اور ہاتھ قابو میں بھی ہیں تو وہ اس لئے فیر نہیں کرتے کہ ایسا نہ ہو کہ نواب صاحب یا منزلت آرا کے گولی لگ جائے۔ جن کی لاشوں پر وہ خونی سپاہی کھڑا تھا۔

آخر اُس نے سب کی طرف خطاب کر کے کہا "تم مجھے پکڑ دوگے؟ مگر یاد رکھو کہ جب تک دس بارہ کو اسی مردود کے پاس نہ سلا دوں گا۔ کسی کے ہاتھ نہیں لگ سکتا۔ تم میں سے جس کسی کو حوصلہ ہو آئے"۔ یہ کہہ کے وہ تلوار ہلاتا ہوا بھیڑ کی طرف دوڑا۔ اور سب گھبرا کے الٹے پاؤں بھاگے۔ اس بدحواسی میں نواب صاحب کے ایک مصاحب کے ہاتھ سے پتنچہ چھوٹ کے گر گیا۔ اور وہ خوف زدہ ہو کے بھاگا۔ خون خوار سپاہی نے لپک کے پتنچہ اٹھا لیا اور ادھر ادھر چاروں طرف فیر کرنے لگا۔ دو چار اور گر گئے۔ باقی سب نے بھاگ کے جان بچائی۔

اب میدان خالی دیکھ کے اُس سپاہی نے کہا۔ "واہ! نامرد کے ساتھی بھی نامرد ہوتے ہیں ایک لشکر کا لشکر موجود ہے۔ مگر کسی کو قریب آنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ اچھا نامردو۔ آؤ مجھے مار ڈالو۔ میں نے زندہ رہنے کے لئے یہ کام نہیں کیا ہے۔ میری یہ مراد پوری ہو گئی کہ اس بے حیا نواب کا کام تمام کر دیا۔ اب فقط اس بات کی آرزو ہے کہ کوئی آکے میرا بھی کام تمام کر دے۔ میں مرنے ہی کے لئے آیا ہوں۔ اور مرنا چاہتا ہوں۔ اچھا میں نہ بولوں گا۔ تم پر وار نہ کروں گا۔ تم اطمینان سے اور بغیر کسی اندیشے کے آکے مار ڈالو۔"

اس کے یہ الفاظ سُن کے دو چار بھاگے ہوئے سپاہی پھر آئے اور قریب آنے کا قصد کیا۔ تو اُس نے ڈپٹ کے کہا۔ "مگر یہ شرط ہے کہ الگ ہی رہو اور تلوار یا تپنچے سے میری جان لو۔ پاس آکے کسی نے مجھے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور (تپنچہ سامنے کر کے) میں نے گولی مار دی یہ نہ سمجھنا کہ مجھے گرفتار کر لو گے۔ میں جان دوں گا۔ مگر گرفتار نہ ہوں گا۔"

چند لمحوں تک اُس نے انتظار کیا کہ کوئی اس پر تپنچہ سر کرے یا تلوار لے کے اس کی طرف بڑھے۔ مگر کسی کو اس کی ہمت نہ ہوئی۔ تب اُس نے کہا: "تھوک ہے نامردو! تم سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ سچ کہتے ہیں کہ بہادر وہی لوگ ہوتے ہیں جن میں اصالت اور شرافت ہو۔ جن کے گھروں میں رات دن حرام کاری ہوا کرتی ہو وہ کیا بہادری کریں گے؟ خیر اب تم نہیں مدد کرتے تو میں خود اپنا کام تمام کئے لیتا ہوں۔ چاہتا تھا کہ خودکشی نہ کروں اور حرام موت سے بچ جاؤں۔ مگر یہ قسمت میں نہیں اور جہاں تم سے نامردے ہوں وہاں کسی کو ایسی شرافت سے موت

اور شہادت نہیں نصیب ہو سکتی۔ لیکن پھر بھی مجھے اطمینان ہے۔ میں نے کئی آدمی مار ڈالے ہیں عدالت اور شرع کی رو سے میرا قتل واجب ہے۔ کسی نہ کسی طرح مجھے مارا جانا چاہیئے ! میرا خونی ہونا ثابت ہی ہے۔ خود ہی اقرار جرم کر رہا ہوں۔ پھر قتل کی سزا میں کیسے شک ہو سکتا ہے اس لئے اگر بغیر حاکم اور قاضی صاحب کو تکلیف و زحمت دیئے میں خود ہی اپنے آپ کو سزا دے لوں تو کیا مضائقہ ہے۔ میں ہرگز گنہگار نہ ہوں گا۔ میں یہ خودکشی نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ شرع کے فتوے اور عدالت کے حکم کی خود ہی تعمیل کئے دیتا ہوں۔"

اس کی اس اسپیچ کو سپاہی جو دور دور اس کے گرد تھے۔ اور محل کی عورتیں جو کونوں میں دبکی کھڑی تھیں حیرت اور تعجب سے سن رہی تھیں کہ یکایک اس خونی سپاہی کے ہاتھ کو حرکت ہوئی۔ ایک دھڑاکے کی آواز آئی۔ اور ساتھ ہی وہ تیورا کے آڑا آڑا نواب اور منزلت آرا کی لاشوں پر گر پڑا۔ کچھ دیر تک تڑپا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔

دیکھنے والوں کے دلوں میں اس کی اس قدر ہیبت بیٹھ گئی تھی کہ کسی کو اب بھی پاس جانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ لیکن آخر سپاہی تلواریں کھینچ کھینچ کے اور مصاحبین اپنے تپنچے اس کی لاش کی طرف سیدھی کر کے ڈرتے اور لرزتے ہوئے اس کے پاس گئے۔ اور حق نمک ادا کرنے کے لئے بے تحاشا اس کی لاش کو چورنگ بنانا شروع کر دیا۔ بہت سے وار کرنے کے بعد غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں سانس نہیں اور دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ تب سب نے

گھسیٹ کے اس کی لاش الگ کی۔ اور نواب صاحب اور منزلت آرا کی لاشوں کو پلنگ پر لا کے ڈالا۔ اور دونوں کی حالت پر غور کرنے لگے۔ منزلت آرا کو تھوڑی دیر میں ہوش آ گیا۔ اس لئے کہ انھیں کہیں چپیٹ نہیں آئی تھی۔ فقط خوف سے غش آ گیا تھا۔ مگر نواب کی حالت نہایت نازک نظر آئی۔ اگرچہ سوا دو ایک زخموں کے سب پھلتے پھولتے ہوئے تھے۔ اور دو ایک جو گہرے تھے وہ بھی ایسے مقام پر نہ تھے کہ کاری خیال کئے جائیں۔ مگر اتنی دیر میں خون اس قدر نکل گیا تھا کہ ڈاکٹروں نے آتے ہی کہہ دیا کہ "حالت خطرناک ہی نہیں مایوسانہ ہے"۔

ڈاکٹروں کا یہ فیصلہ سنتے ہی سارے محل میں کہرام پڑ گیا۔ اندر باہر جو تھا ڈاڑھیں مار مار کے رو رہا تھا۔ اور جن لوگوں کو نواب صاحب سے نفع پہونچ رہا تھا ان میں ایسی پٹس پڑی کہ سارے شہر میں مشہور ہو گیا کہ نواب صاحب مار ڈالے گئے۔

اتنی دیر میں نواب صاحب کی حالت اور ابتر نظر آئی۔ چند عورتوں نے دیکھا کہ سانس بھی نہیں چلتی اور سر پیٹنا شروع کر دیا۔

اب نواب صاحب کی تجہیز و تکفین کا سامان ہو رہا ہے تو ہم بھی سردست اپنے ناظرین سے باقی داستان فردا شب کہہ کے رخصت ہوتے ہیں۔